# Respected Urdu Lover,

## Greetings and Welcome,

Our mission is to upload 1,001 Free Urdu Novels by 2010. You can help us by

(1) Composing some pages of the upcoming Novels

(2) Emailing this Novel to your 50 friends.

For more details please visit now: **www.1001Fun.com**

### :: Our Special Thanks to ::

www.OneUrdu.com
www.PakStudy.com
www.UrduArticles.com
www.UrduCL.com
www.NayabSoftware.com

## اردو پسندوں کو آداب اور خوش آمدید

ہمارا مشن دو ہزار دس **(2010)** تک ایک ہزار ایک **(1,001)** مفت اردو ناول آن لائن کرنے کا ہے۔ آپ اردو سے محبت کے اس مقدس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ﴿1﴾ آئندہ ناول کے چند صفحات کی کمپوزنگ کر کے ﴿2﴾ یہ ناول اپنے پچاس **(50)** دوستوں کو ای میل کر کے۔ ﴿2﴾ مزید تفصیلات کے لیے ابھی وزٹ کیجیے۔

wwww.1001Fun.com

# ریشوں کی یلغار

از

## ابن صفی

## ناول کا آغاز

سرخ اور سفید گلابوں کا جنگل ڈھول نفیریوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ گلترنگ کے میلے کی اہم ترین رات تھی جب زیارت گاہ کے ایک مخصوص چبوترے کو پھولوں میں بسے ہوئے پانی سے غسل دیا جاتا تھا اس کے لیے شکرال کی ساری بستیوں سے سات کنواری لڑکیاں منتخب کی جاتی تھیں۔

غسل والی رات کو سرداروں کے خیموں میں نہ تو تیتال پی جاتی تھی اور نہ رقص وسرود کی محفلیں جمتی تھیں۔ صرف نفیریوں پر رب عظیم کی حمد گائی جاتی تھی اور ڈھول بجائے جاتے تھے۔ بخور دانوں سے خوشبودار دھوئیں کے مرغولے اٹھتے اور اپنے ساتھ گلابوں کی مہک لیے ہوئے فضا میں تحلیل ہوتے رہتے۔

غسل کے بعد بڑا عابد ہر بستی کے سردار کو طلب کر کے اس سے وہ عہد دہرانے کو کہتا جو اس نے سردار بننے سے قبل کیا تھا۔ اس کے بعد دعائیں دے کر رخصت کر دیتا۔ اس رسم کا اعادہ ہر سال ہوتا تھا۔

اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا۔ رسم کے اختتام پر بڑے عابد نے حیرت سے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ رحبانی سردار شہداد کہاں ہے؟۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ایک عورت آگے بڑھی جس کے جسم پر اعلی درجے کی پوشاک تھی۔

مقدس عابد۔ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ کیا میں سردار شہداد کی نمائندگی کر سکتی ہوں۔

تم کون ہو؟۔ بڑے عابد کے لہجے میں تحیر تھا۔

میں ان کی بیوی ہوں۔

کیا تم نہیں جانتیں کہ یہاں نہ کوئی عورت سردار بن سکتی ہے اور نہ کسی سردار کی نمائندگی کر سکتی ہے۔۔۔۔ کیا سردار شہداد بیمار ہیں؟۔

میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ مقدس عابد۔

اگر وہ بیمار نہیں ہیں تو انہوں نے قانون شکنی کی ہے۔ عابد کا لہجہ کس قدر تیز ہو گیا۔

مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ تنہائی میں عرض کرنا چاہتی ہوں۔ مقدس عابد۔

بڑے عابد نے سر کو جنبش دی۔۔۔۔۔۔ اور ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا کہ رسم اختتام کو پہنچی۔

اس کے بعد وہ عورت کو اپنی پیچھے آنے کا اشارہ کر کے خانقاہ کے اندر داخل ہو گیا تھا۔

اپنے حجرے میں پہنچ کر وہ عورت کی طرف مڑا۔

یہاں تیری آواز رب عظیم کے علاوہ اور کوئی نہیں سن سکے گا۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

عورت کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں پُرآب ہو گئی تھیں۔

کیا شہداد پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے؟۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتی مقدس درویش۔۔۔۔۔ میں نے اس وقت سے ان کی شکل نہیں دیکھی جب سے وہ زرد ریگستان کے سفر سے واپس آئے ہیں۔

کیا وہ رحبان میں نہیں ہیں؟۔

وہ گھر ہی میں ہیں مقدس درویش۔ میں ان کی آواز سن سکتی ہوں لیکن دیکھ نہیں سکتی۔ انہوں نے خود کو ایک حجرے میں بند کر دیا ہے۔

بڑی عجیب بات ہے۔ بڑے عابد نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

کہتے ہیں کہ اگر کسی نے مجھے دیکھنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔

کیا انہوں نے تنہا سفر کیا تھا؟

نہیں مقدس درویش۔ وہ سب گیارہ افراد تھے۔ بقیہ دس کا بھی یہی حال ہے۔ اپنے اپنے گھروں تک محدود ہو گئے ہیں اور کسی کو شکل نہیں دکھاتے۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ جو آواز تم سنتی ہو وہ تمہارے شوہر ہی کی آواز ہے۔

ان کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی۔

اور وہ دس آدمی؟۔

ان کے متعلقین بھی آوازوں کی بناء پر انہیں اجنبی نہیں قرار دے سکتے۔ ہم سب بہت پریشان ہیں مقدس درویش۔ ہمارے لیے دعا کیجئے۔

گیارہ آدمی۔۔۔ بڑا عابد آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

گیارہ آدمی۔ عورت نے سسکی لی۔ جو حجروں میں بند ہو گئے ہیں اور کسی کو شکل نہیں دکھاتے اور وہ اس طرح واپس آئے تھے کہ انہیں بستی کا کوئی بھی آدمی نہیں دیکھ سکا تھا۔

ناممکن۔ بڑے عابد کی زبان سے نکلا۔

یقین کیجئے۔ ہم ایک رات تنہا سوئے اور دوسری صبح ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے مرد واپس آ گئے ہیں لیکن ہم انہیں نہ دیکھ سکے کیونکہ وہ اپنے حجروں میں بند ہو چکے تھے۔

تو پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟۔

کیا ہم یہ نہ جاننا چاہیں گے کہ وہ اپنی شکلیں کیوں نہیں دکھا رہے ہے۔

تم خود میرا پیغام لے جاوگی یا میں اپنا کوئی آدمی بھیجوں؟۔

ہماری نہیں سنی جائے گی۔

اچھا تو پھر کل صبح سورج طلوع ہونے سے قبل ہی کوئی رحبان جا کر حالات کا مشاہدہ کرے گا اور سردار شہداد تک میرا پیغام پہنچائے گا۔

شکریہ مقدس درویش، عورت نے کسی قدر خم ہوتے ہوئے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔

وہ اس سے لاعلم تھی کہ زیارت گاہ سے نکلتے ہی ایک تاریک سائے نے اس کا تعاقب شروع کر دیا ہے۔

قریباً نصف گھنٹے بعد بڑے عابد نے خواب گاہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر کسی کی آمد کی اطلاع دی۔

اچھا آنے دو۔ بڑے عابد نے کس قدر ترشی سے کہا۔ لیکن پھر آنے والے کی شکل دیکھ کر چہرے سے ناگواری کے اثرات زائل ہو گئے تھے۔

آو۔۔۔آو۔۔۔۔ بہادر ضرغام کے بیٹے۔ اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

آنے والا احتراماً جھکا تھا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا تھا۔

مقدس بزرگ وہ شہداد کی بیوی نہیں تھی۔

کیا کہہ رہے ہو؟۔

ہرگز نہیں، میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ ہزاروں میں پہچان سکتا ہوں لیکن وہ عورت شہداد کی بیوی نہیں تھی۔ اور پھر وہ خیموں کی جانب جانے کی بجائے غاروں کی طرف گئی ہے۔

کیا شکرال کا کوئی فرد اس زیارت گاہ میں جھوٹ بولنے کی جسارت کرسکتا ہے۔ بڑے عابد کی آواز بلند ہوگئی۔

اگر وہ شکرالی ہے تو ہرگز نہیں کرسکتا۔

شہباز بہادر۔۔۔تم اسی شکرال کے سردار اعلیٰ ہو، جس کی ایک بستی رحبان بھی ہے۔

میرا دعوی ہے کہ وہ عورت رحبانی نہیں تھی۔

اگر نہیں تھی تو پھر اس حرکت کا مقصد؟۔

رب عظیم ہی جانے۔

اچھا شہباز بہادر۔ تو پھر یہ کام تمہارے ہی سپرد کیا جاتا ہے۔

میں نہیں سمجھا مقدس بزرگ۔

وہ ایک کہانی لے کر آئی تھی۔ بڑے عابد نے کہا اور عورت کی روداد دہرانے لگا۔ شہباز کو ہی غور

سے سن رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ نیم باز آنکھیں غیر متحرک نظر آرہی تھیں۔ بڑے عابد کے خاموش ہونے پر سپاٹ لہجے میں بولا۔ شکرال کے خلاف پھر کوئی سازش ہو رہی ہے مقدس بزرگ۔

اگر رب عظیم نے تمہیں شکرال کا رکھوالا نہ بنایا ہوتا تو تم بھی اس وقت یہاں موجود نہ ہوتے۔ تمہارے علاوہ اور کسی نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ شہداد کی بیوی نہیں ہے۔

میں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ شہباز بولا۔

بس تو پھر اب تم ہی اس معاملے کو دیکھو۔

بہت بہتر مقدس بزرگ۔

جیپ ناہموار راستے پر چل رہی تھی۔ اس لیے رفتار رینگنے کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ دور دور تک سبزے کا نشان نہیں تھا۔ ننگی اور بھوری چٹانیں دیکھ دیکھ کر آنکھوں میں چبھن ہونے لگی تھی۔ خانزادی اور پروفیسر دارا اونگھ رہے تھے۔ عمران ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور خان شہباز کی پرتشویش آنکھیں گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کہا۔ خدایا اب کیا ہوگا۔

اس سوال کا جواب واقعی خدا سے چاہتے ہو یا۔۔۔۔ عمران جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ خان شہباز نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ وہ درہ ہی بند کر دیا گیا ہے جس سے گزر کر ہم اس تکون تک پہنچتے۔

عمران نے طویل سانس لی تھی اور اس طرح منہ چلانے لگا تھا جیسے انہیں حلق سے اتار کر شکرال

تک پہنچائے گا۔

شاید ہم مارے ہی جائیں گے۔ خان شہباز بولا۔

دیکھو کیا ہوتا ہے۔ تم مجھے وہ درہ تو دکھاؤ جسے بند کر دیا گیا ہے۔

خان شہباز نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا تھا۔ عمران بھی انجن بند کر کے اس کے ساتھ ہی اتر گیا۔ جیپ رکتے ہی ان دونوں نے بھی آنکھیں کھول دی تھیں۔

سوجاؤ۔۔۔۔ سوجاؤ۔ عمران دارا کا شانہ تھپک کر بولا۔

ہم کہاں ہیں؟۔

ابھی کفن دفن ہی کی حدود میں ہیں۔ عمران نے کہا تھا اور خان شہباز کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

تنگ سا درہ زیادہ دور نہیں تھا جسے بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس میں اتنی کشادگی کبھی نہ رہی ہوگی کہ ایک جیپ گزر سکتی۔

اگر کسی طرح اوپر سے اس کا جائزہ لیا جا سکے تو۔ عمران بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

تم دیکھ ہی رہے ہو کہ اوپر پہنچنا کتنا مشکل ہے۔

کوشش تو کرنی ہی چاہیے۔ ورنہ واپسی کے لیے تو پٹرول بھی ناکافی ہوگا۔

وہ دونوں بھی گاڑی سے اتر کر ان کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔

اب کیا ہوگا؟۔ خانزادی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

مجھے تو نہیں معلوم کہ کیا ہوگا۔ عمران برا سا منہ بنا کر بولا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

تمہارا شاگرد میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ خانزادی نے آہستہ سے پروفیسر سے کہا۔

کیا تم اب بھی اسے میرا شاگرد کہتی رہو گی؟۔

کیوں؟۔

میں خود ہزار برس تک اس کی شاگردی کر سکتا ہوں۔

کیا یہ غلط ہے کہ وہ تمہارا شاگرد ہے؟۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پھر وہ کون ہے؟۔

اس چکر میں مت پڑو۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔۔ وہ اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ اوپر پہنچ بھی گیا تو ہم کس طرح پہنچیں گے کم از کم اپنے بارے میں تو کہہ سکتی ہوں کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہوگا۔

میں خود بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

اوہ۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔ اس کا بایاں پیر پھسل رہا ہے۔۔۔۔ ارے۔ خانزادی اچھل پڑی۔

عمران کے دونوں پیر پھسل گئے تھے۔ اور وہ چٹان کا نکیلا حصہ تھامے جھول رہا تھا۔

اب بتاؤ۔ انہوں نے عمران کو کہتے سنا۔ ٹپک پڑوں مردہ چھپکلی کی طرح؟۔

ارے۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟۔ خان شہباز چیخا۔ ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی۔

لیکن عمران کے دونوں پیر کسی بچھو کی دم کی طرح مڑ کر اس کے سر کی طرف جا رہے تھے۔ پھر وہ

سر سے بھی آگے نکل کر چٹان کے اوپری حصے پر جا ٹکے۔

خدا کی پناہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ خانزادی خوف زدہ انداز میں بڑبڑائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں بے ساختہ ہنس پڑی جس میں رو دینے کا سا انداز بھی شامل تھا۔

عمران اوپر کھڑا سرکس کے کسی اداکار کے سے اسٹائل میں جھک جھک کر گویا تماشائیوں کی داد و ستائش کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

ہمارے بس سے تو باہر ہے۔ شہباز نے اونچی آواز میں کہا۔

ہوائی جہاز بجھوا رہا ہوں تم لوگوں کے لیے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا تھا اور پھر نشیب میں اتر گیا تھا کیونکہ اب وہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

فلسفی ہی نہیں مداری بھی ہے۔ خانزادی چہکی۔

پروفیسر دم بخود کھڑا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد انہیں عمران کا سر نظر آیا تھا اور پھر وہ اسی جگہ کھڑا دکھائی دیا جہاں پہلے تھا۔

پہلے سامان۔ اس نے کمر سے ریشم کی مضبوط ڈور کا لچھا کھولتے ہوئے کہا۔

مگر ہم کیسے پہنچیں گے اوپر؟ خانزادی نے پرانا سوال دہرایا۔

چپ چاپ دیکھتی جاو۔ پروفیسر دارا بولا۔ خان شہباز کی آنکھوں میں بھی الجھن کے آثار تھے۔ اتنی دیر میں عمران نے ڈور نیچے لٹکا دی تھی۔۔۔۔ ایک ایک کر کے سارے تھیلے اور سوٹ کیس اوپر پہنچ گئے۔

اب، تم یہ ڈور گاڑی سے باندھو۔ عمران نے کہا۔ اور تینوں گاڑی پر بیٹھ جاو۔

کیا کہہ رہے ہو؟ خان شہباز دہاڑا۔

گاڑی سمیت اوپر پہنچ جاو گے۔ عمران سر ہلا کر بولا۔

کیا تم وہاں پہنچ کر ہمارا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو؟

نہ میں نیچے پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم لوگ اوپر پہنچ سکتے ہو۔ پھر ایسی صورت میں مضحکہ اڑانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں؟

کس نے کہا تھا کہ تم اوپر جا چڑھو؟ خانزادی چلائی۔

میری شامت نے۔

اور تم نے سب سامان بھی اوپر ہی سمیٹ لیا۔ آخر ارادے کیا ہیں؟

جس چیز کی ضرورت ہو آواز دے لینا۔

کیا یہ پاگل ہو گیا ہے؟ خان شہباز نے پروفیسر سے پوچھا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زیادہ دنوں سے نہیں جانتا۔

کیا مطلب؟

کچھ دنوں پہلے شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ ہم لوگوں کے یہی احوال ہے۔

میں سمجھ گیا۔ لیکن سوال تو یہ ہے۔۔۔۔ لو پھر غائب ہو گیا۔

انہوں نے اوپر نظریں دوڑائیں۔ عمران اب وہاں نہیں تھا۔

آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟۔ خانزادی نے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ اب تو پروفیسر کے چہرے پر بھی کچھ اچھے آثار نہیں تھے۔ شاید غصہ آیا تھا جس کو دبانے کے سلسلے میں آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور نتھنے پھولنے پچکنے لگے تھے۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے لیکن عمران نہ دکھائی دیا۔

کہیں ہم چوہوں کی طرح نہ مار لیے جائیں۔ خان شہباز کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

کیا کسی اور طرف نکل چلنے کے لیے ٹنکی میں پٹرول ہو گا؟۔ پروفیسر نے سوال کیا۔

میں نہیں جانتا۔

تو پھر ہمیں صبر کر لینا چاہیئے۔

پروفیسر۔ تم صبر کی تلقین کر رہے ہو۔ خانزادی نے ناگوار لہجے میں کہا۔ اور ہم اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ صبر کرنے کا مشورہ انہیں دیا جاتا ہے جن کے پیروں تلے کم از کم زمین تو ہو۔

مجھے بے حد افسوس ہے خانزادی۔ ہم نے حتی الامکان کوشش کر ڈالی تھی کہ تم ہمارے ساتھ سفر نہ کرو۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔

وہ کچھ نہ بولی۔ دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

سوال تو یہ ہے کہ اب کیا کریں؟۔ خان شہباز نے کہا۔

آخر۔۔۔ میرے چیونگم کے پیکٹ کہاں گئے؟۔ دفعتاً عمران کی آواز آئی اور وہ چونک پڑے۔ چونکے یوں تھے کہ آواز اوپر سے نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس طرف سے آئی تھی جہاں انہوں نے جیپ کھڑی کی تھی۔۔۔ اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ عمران جیپ ہی میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ قریب قریب دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے تھے۔ ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے دیکھتے رہے۔۔۔۔ وہ اتنے انہماک سے کچھ تلاش کر رہا تھا کہ ان کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

تت۔۔۔۔ تم یہاں کس طرح آ پہنچے؟۔ خان شہباز نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

چیونگم کے پیکٹ میرے تھیلے سے شاید گاڑی میں گر گئے تھے۔ لیکن آخر گاڑی سے کہاں گئے؟۔ عمران بولا۔

میں پوچھ رہا ہوں تم نیچے کیسے آئے۔

ایمرجنسی۔۔۔۔

پروفیسر نے خان شہباز کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ اسے بھی غصیلی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

خانزادی کبھی مڑ کر درے کی اونچائی کو دیکھتی تھی اور کبھی عمران کو۔

اب میں کیا کروں؟۔ عمران نے مایوسانہ انداز میں گویا خود سے سوال کیا۔

ہم پوچھ رہے ہیں کہ تم نیچے کیسے آئے؟۔ خانزادی جھلا کر بولی۔

آدمی اگر چوہا بننا گوارا کر لے تو سب کچھ ممکن ہے۔

کیا مطلب؟۔

ابھی بتادوں گا مطلب بھی۔۔۔ فی الحال چیونگم۔

میں کہتا ہوں جلدی کرو۔ اس راستے کو بند کردینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف بھی وہ ضرور توجہ دیں گے۔ خان شہباز نے کہا۔

اوراس جیپ کو یہاں دیکھ کر اندازہ لگالیں گے کہ ہم سرحد پار کر گئے ہیں۔ عمران خوش ہوکر بولا۔

اوہو۔۔۔ چیونگم کے پیکٹ شاید میرے سوٹ کیس میں ہے۔ دفعتاً پروفیسر نے کہا۔

تو اب ہمیں جلدی ہی کرنی چاہیئے۔ دیر سے چیونگم کو ہڑک رہا ہوں۔ عمران نے کہا اور گاڑی سے اتر کر بائیں جانب چل پڑا۔ اس نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔۔۔ تھوڑی دور چل کر وہ رک گیا اوران کی طرف مڑ کر بولا۔ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ چوہا بننا پڑے گا

اور پھر اس نے انہیں وہ سوراخ دکھایا تھا جس سے گزر کر وہ جیپ تک پہنچا تھا۔

ایک ایک کرکے ہم باآسانی گزر سکیں گے۔ لیکن چوہوں ہی کی طرح۔ پروفیسر ہنس کر بولا۔

عمران نے پہل کی تھی۔ سوراخ کسی لومڑی کے بھٹ کا دہانہ معلوم ہوتا تھا۔ اندر گہری تاریکی تھی لیکن وہ پنسل ٹارچ کی ہلکی سی روشنی میں راستہ تو دیکھ ہی سکتے تھے۔ کچھ دور تک سینے کے بل رینگتے رہنے کے بعد سوراخ میں کسی قدر کشادگی محسوس کی تھی۔ بالآخر وہ اس درے تک پہنچ ہی گئے جس کے دہانے کو پتھروں کے ڈھیر سے بند کردیا گیا تھا۔

اب کچھ دیر آرام کے لیے بھی ٹھہرے گے یا مسلسل چلتے ہی رہنا ہے؟۔ پروفیسر نے عمران سے پوچھا۔

میری ذمہ داری ختم۔ عمران سرہلا کر بولا۔ خان شہباز سے پوچھو۔

لیکن میرے ایک سوال کا جواب تو تمہیں دینا ہی پڑے گا۔ خانزادی بول پڑی۔

ارتھمیٹک کانہ ہونا چاہیئے۔

تم پروفیسر کے ماتحت ہو یا پروفیسر تمہارے ماتحت ہیں؟۔ خانزادی نے پوچھا۔

پروفیسر ہی سے پوچھ لو۔

میں تم سے پوچھ رہی ہوں؟۔

ہم دونوں دوست ہیں۔ ایک دوسرے کی ماتحتی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ میں مکھن کے کارخانے کا فورمین ہوں۔۔۔ اور یہ پولٹری فارمنگ کرتے ہیں۔

دنیا کو دکھانے کے لیے؟۔

نہیں۔۔۔۔ دنیا کو حلوہ اورانڈا مرغی کھلانے کے لیے۔

غیرضروری باتیں شروع ہوگئی ہیں۔ خان شہباز بولا۔ درے سے نکل کر ہمیں تین میل مزید چلنا پڑے گا پھر ہم ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچیں گے۔ وہاں میرے دو ایک شناسا ہیں جو ہمیں عمران کے ملک کی سرحد تک پہنچا دیں گے۔

کہیں دیکھتے ہی گولی نہ ماردیں۔ عمران بولا۔ وہ لوگ اپنی سرحدوں کے اندر اجنبیوں کو برداشت نہیں کرسکتے۔

یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ خان شہباز بولا۔

چھوڑ دیا۔

تینوں نے سامان اٹھایا تھا اور چل پڑے تھے۔ خانزادی خالی ہاتھ تھی۔ اس نے بھی بار برداری میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہا تھا۔ لیکن اس کی خواہش پوری نہیں کی گئی۔

درہ طویل ثابت ہوا۔ اس کے دوسرے سرے پر عمران نے بائیں جانب ایک غار کا دہانہ دریافت کیا۔ چلتے چلتے رک کر وہ اس غار میں اتر گیا تھا اور اس کے ساتھی جہاں تھے وہیں کھڑے رہے تھے۔ جلد ہی وہ غار کے دہانے پر دوبارہ دکھائی دیا تھا۔

بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ اس نے کہا۔ اگر ہم رات یہیں گزاریں تو کیا حرج ہے؟۔

یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے۔ میں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ خانزادی نے کہا۔

پھر وہ اسی غار میں اتر گئے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پہلے بھی کسی کے استعمال میں رہا ہو۔ خانزادی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف نظر دوڑاتی ہوئی بولی۔

اسے اسمگلر استعمال کرتے تھے۔ خان شہباز نے کہا۔

شکرال سے انہیں کیا ملتا ہوگا؟۔ پروفیسر نے سوال کیا۔

اسلحہ اور گولا بارود کے عوض مویشی لاتے تھے۔

عمران غار کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ دفعتاً ایک گوشے سے اس نے انہیں آواز دی۔

یہاں۔۔۔ ادھر آو۔ یہاں تو بہت کچھ ہیں۔ جلانے کے لیے لکڑیاں مٹی کے تیل کے دو کنستر۔۔۔۔۔ چار لائٹس۔۔۔۔۔ واہ واہ۔

ذبح کرنے کے لیے ایک عدد بکری بھی ہوگی۔ خانزادی نے کہا اور ہنس پڑی۔

بس تو پھر رات یہیں گزاری جائے۔ خان شہباز بولا۔

پھر سچ مچ پاس ہی کہیں کوئی بکری بھی ممیائی تھی اور خانزای اچھل پڑی تھی۔

کیا واقعی؟۔ شہباز خان نے حیرت سے کہا۔

بھاگ گئی۔ عمران کی آواز سنائی دی۔

کہاں بھاگ گئی؟۔ پکڑو۔۔۔۔ خانزادی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

خانزادی نے سنجیدگی سے بکری کی تلاش شروع کر دی تھی۔۔۔۔۔۔ پروفیسر کچھ سوچتا رہا پھر ہنس پڑا۔

کیا ہوا؟۔ وہ اس کی طرف مڑی۔

اس وقت اگر تم شیر کا بھی ذکر کرتیں تو تمہیں دہاڑ ضرور سنائی دیتی۔

کیا مطلب؟۔

میرا ساتھی ایسا ہی ہے۔

پہلے میں اسے کوئی سنجیدہ آدمی سمجھتا تھا۔ خان شہباز نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ لیکن اب مجھے اپنی رائے بدل دینی پڑے گی۔

تم مجھے برفستانی ریچھ بھی سمجھ سکتے ہو خان۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

شکرال میں تمہیں ایسی حرکتیں لے ڈوبیں گی۔ خان نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔

میرے لیے اب یہ مردانہ بھیس ضروری تو نہیں۔ خانزادی نے اونچی آواز میں کہا۔ سخت الجھن محسوس کر رہی ہوں۔

تمہاری مرضی۔ عمران کی آواز آئی۔ داڑھی میں بھی بری نہیں لگتیں۔

اس سے کہو کہ خانزادی سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرے۔ خان شہباز آہستہ سے بولا۔

میں سمجھا دوں گا۔ پروفیسر نے کہا اور اسی سمت بڑھ گیا جدھر سے عمران کی آواز آ رہی تھی۔۔۔

وہ آگ جلانے کے لیے لکڑیاں چنتا ہوا ملا۔۔

خانزادی سے چھیڑ چھاڑ نہ کیجئے تو بہتر ہے۔ پروفیسر نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ خان شہباز جز بز ہوتا ہے۔

تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ وہ تو خود ہی مجھے چھیڑتی رہتی ہے۔

آپ محتاط رہیئے۔

یہ دونوں خواہ مخواہ گلے پڑ گئے ہیں۔ وہ مردانہ بھیس میں بھی رہنے پر تیار نہیں۔

شکرال میں مرد مارے جا سکتے ہیں۔ عورتوں پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھاتا خواہ کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتی ہوں۔

بہر حال ہم نئی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔

کیسی دشواری؟۔

شکرال۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اتنے میں خانزادی اور شہباز بھی ادھر ہی چلے آئے۔

خان شہباز۔ عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔ قریبی بستی میں تمہارے کتنے شناسا ہیں؟۔

دو آدمی ہیں۔

اگر وہ موجود نہ ہوئے تو؟۔

دیکھا جائے گا۔

کیا دیکھا جائے گا؟۔

تم یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔

اگر بستی میں تمہیں کوئی نہ پہچان سکا تو گولیاں ہمارے سینے چھلنی کر دیں گی۔ نہیں میں تو محض دو آدمیوں کی شناسائی کو کافی نہیں سمجھتا۔

تو پھر اسی غار کو اول و آخر سمجھ لو۔ خان شہباز نے بیزاری سے کہا۔

شاید اب تم اپنے کیئے پر پشیمان ہو؟۔

خداوند قدوس کی قسم ہر گز نہیں۔

تو بس پھر خاموشی اختیار کرلو۔ ہم بستی میں نہیں جائیں گے۔

تو بستی سے گزرے بغیر وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے جہاں سے تمہیں اپنے ملک میں داخل ہونا ہے۔

میں ایسے راستوں سے بھی واقف ہوں کہ ہم پر کسی کی نظر ہی نہ پڑ سکے۔

لیکن یہ راستے پیدل تو نہیں طے ہو سکیں گے۔

سواری کہاں سے مل جائیں گی تمہیں؟۔

بستی سے۔

خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ سب کچھ سوچنے کے لیے پوری رات پڑی ہے۔

عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کان چاٹنے والے کسی بچے کو ٹالا گیا ہو۔ خان شہباز کے چہرے پر پہلے تو شرمندگی کے آثار نظر آئے تھے پھر غصے سے سانس پھولنے لگی تھی۔

لیکن وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔

تم آخر غصہ دلانے والی باتیں کیوں کرنے لگے ہو؟۔ خانزادی نے عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔

خان شہباز تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔

مجھ سے خوش کون ہے؟۔

چلو۔۔۔ چلو۔۔۔ انہیں تنہا چھوڑ دو۔ پروفیسر بولا۔

تم ذرا دیر کو انہیں میرے پاس تنہا چھوڑ دو۔ عمران پروفیسر کو گھورتا ہوا غرایا۔ پروفیسر غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹا تھا اور وہاں سے چل دیا تھا۔

خیریت۔۔۔ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟۔ خانزادی ہنس کر بولی۔

یہی کہ تم نے ایک بار بھی اپنے گھر والوں کو یاد نہیں کیا؟۔

یاد کرنے سے کیا فائدہ؟۔

دل نہیں دکھ رہا تمہارا؟۔

صرف ایک سبق ملا ہے۔

اچھا۔۔۔ عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہاں۔۔۔ سبق یہ ملا ہے کہ بہت زیادہ ضدی ہونا بھی اچھا نہیں ہوتا۔

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں نہایت سعادت مند بچہ ہونے کے باوجود بھی در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں۔

تم سعادت مند بچے۔ خانزادی ہنس پڑی۔

میں نے تمہیں اس لیے روکا تھا کہ تم سے پھر عورت بن جانے کو کہوں۔

لیکن پروفیسر؟۔

پروفیسر یا خان شہباز شکرال کے بارے میں اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتا ہوں۔ ہم مارے

ڈالے جائیں گے لیکن تمہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا ویسے ہوسکتا ہے داڑھی تمہاری موت کا باعث بن جائے۔

فرض کرو۔ میں بچ بھی گئی تو کیا ہوگا؟۔

وہ تمہیں عزت سے زندگی بسر کرنے کا موقع دیں گے۔

تب تو مناسب یہی ہوگا کہ تمہی لوگوں کے ساتھ میں بھی مرجاوں۔

عمران کچھ نہ بولا۔

دن ختم ہوا۔۔۔ رات کی پرچھائیاں فضا میں رقص کرنے لگیں۔ کسی قدر خنکی بڑھ گئی تھی اس لیے رات بھر آگ روشن رکھنی پڑی۔

دوسری صبح سب سے پہلے خانزادی بیدار ہوئی تھی خان شہباز کی جگہ خالی نظر آئی۔ عمران اور پروفیسر سو رہے تھے۔

وہ کچھ دیر بستر پر ہی بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اس جگہ آئی جہاں آگ روشن تھی۔۔۔ آخر میں وہ دونوں بھی اٹھے۔ لیکن شہباز کی واپسی نہ ہوئی خانزادی پہلے یہی سمجھی تھی کہ ضرورتا باہر گیا ہوگا۔

پھر عمران اور پروفیسر نے آس پاس کی تلاش شروع کی تھی۔ اور ناکام واپس آئے تھے۔

بہرحال۔۔۔ میں بری الذمہ۔ عمران خانزادی کی طرف دیکھ کر بولا۔ میں نے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔

تت۔۔۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ۔۔۔؟ خانزادی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔

ہاں۔۔۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر بستی میں اس کے دونوں شناسا موجود نہ ہوئے تو واپسی ناممکن سمجھو۔

پھر کیا ہوگا؟۔

وہی جو خان شہباز کی زندگی میں بھی ہوتا۔

اتنی بیدردی کا مظاہرہ نہ کرو۔ تاریک ہی پہلوں پر کیوں نظر ہے تمہاری؟۔

سامان سمیٹو۔ اور پھر اوپر ہی چڑھ چلو۔ درے میں تو ہم مارلیے جائیں گے۔ عمران نے پروفیسر سے کہا۔

اس نے سوٹ کیس سے ٹامی گن نکال لی تھی۔

مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اپنے طور پر ہمیں بحفاظت نکال لے چلو گے؟۔ خانزادی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

خان شہباز اپنے طور پر ہماری قبریں کھود چکا ہے۔

اوپر پہنچنے میں عمران نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔ کوشش تھی کہ وہ دوسری طرف دیکھے نہ جاسکیں۔

تم ادھر نظر رکھو۔ اس نے پروفیسر سے کہا۔ اور میں شکرال کی جانب نگران ہوں۔

اور مجھے چاہیے کہ سلامتی کے لیے دعائیں مانگنا شروع کردوں۔ خانزادی بولی۔

مجھے کوسنے بھی دے سکتی ہو۔ عمران نے کہا۔

تم نے ابھی تک اس طرح دل نہیں دکھایا۔

خیال رہے کہ تمہاری آواز اونچی نہ ہونے پائے۔ ہوا کا رخ شکرال ہی کی طرف ہے۔

فرض کرو۔ تم دونوں تنہا ہوتے تو کیا ہوتا؟۔

میں قریبی بستی سے دو چار گھوڑے چرا لاتا۔۔۔۔ اور بس۔۔۔۔

کیا تم نہ پکڑے جاتے؟۔

چور یا تو پکڑے جاتے ہیں یا عیش کرتے ہیں۔ کوئی تیسری بات نہیں ہوتی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارا خدشہ محض وہم ہو۔

ممکن ہے۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ کوئی عورت کسی بھی حال میں خاموش رہ سکے۔

کیا میں ضرورت سے زیادہ بول رہی ہوں؟۔

ہوسکتا ہے یہ بھی میرا وہم ہو۔ اور تم نے حقیقتاً ہونٹ سی رکھے ہوں۔

اچھا اب میں قطعی نہیں بولوں گی۔

اگر مجھے اس پر یقین آ جائے تو گولی مار دینا۔

وہ برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ دفعتاً پروفیسر عمران کی طرف رینگ آیا۔

ادھر دس پندرہ فوجی موجود ہیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

ان پر نظر رکھو۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ نیچے اتر کر اسی سوراخ کے قریب جا کر بیٹھو۔ اگر وہ اس طرف آئیں تو بے دریغ فائرنگ شروع کر دینا۔

پروفیسر مشین پستول سنبھالے ہوئے درے میں اتر گیا۔

میں خالی ہاتھ ہوں۔ میرے پاس بھی کچھ ہونا چاہیئے۔ خانزادی آہستہ سے بولی۔

میری گردن دبوچے رکھو خالی ہاتھ سے۔

واقعی بہت بے مروت ہو۔ تمہی دونوں کی وجہ سے میں اس حال کو پہنچی ہوں۔

تو پھر دوسرے خالی ہاتھ کو بھی کام میں لانا مت بھولنا۔ پروفیسر کی گردن زیادہ موٹی نہیں ہے تمہارا بایاں ہاتھ کافی ہوگا اس کے لیے۔

اس وقت کی بکواس کا بدلہ ضرور لوں گی۔ تم دیکھنا۔

شش۔ عمران آہستہ سے بولا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ آ رہے ہیں۔

دوربین اس کی آنکھوں سے لگی ہوئی تھی۔ اور وہ حد نظر تک صاف دیکھ رہا تھا۔

آٹھ گھوڑے تیزی سے درے کی جانب بڑھے آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خانزادی نے بھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن لی تھیں۔ لیکن عمران کی ہدایت کے مطابق اس کے قریب ہی اوندھی پڑی رہی تھی۔ یہ فلسفہ، اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اوندھے پڑے رہنے میں اتنی تکلیف ہرگز نہیں ہوسکتی جتنی کھوپڑی میں سوراخ ہو جانے سے ہوسکتی ہے۔

ٹاپوں کی آواز بتدریج قریب ہوتی جا رہی تھی۔

اسی طرح چپ چاپ پڑی رہنا۔ عمران آہستہ سے بولا۔

کیا وہ ہمیں پکڑ لے جائیں گے؟۔

صرف ہم دونوں کو۔ تم ساتھ جانا چاہو گی تو لے جائیں گے ورنہ یہیں چھوڑ دیں گے۔

میں ساتھ جاوں گی۔

بس خاموش۔

شاید وہ درے تک پہنچ گئے تھے۔

یہ کیسے معلوم ہو کہ خان شہباز پر کیا گزری۔ خانزادی نے آہستہ سے پوچھا۔

ارے تمہاری زبان رکے گی نہیں؟۔

اچھا اب نہیں بولوں گی۔ خانزادی نے بوکھلا کر کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ بھینچ لیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے سچ مچ خائف ہو گئی ہو۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بہت معدوم ہو گئی تھیں۔

عمران نے دوربین تھیلے میں ڈال لی تھی اور ٹامی گن سنبھال کر درے کی طرف رینگ گیا تھا پانچ آدمی درے میں داخل ہوئے تھے اور اس غار کے دہانے کے قریب رک گئے تھے جہاں انہوں نے رات بسر کی تھی۔

پھر ایک دہانے پر ٹھہرا تھا۔ اور چار آدمی غار میں داخل ہوئے تھے۔ عمران نے کل آٹھ آدمی شمار کئے تھے ان میں سے شاید تین درے کے سرے پر ہی رک گئے تھے۔

وہ درے میں جھانکتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ غار سے نکل کر وہ ادھر ہی کا رخ کریں گے کہیں ان میں سے کوئی اس راستے پر بھی نہ چل پڑے جس کا اختتام لومڑی کے بھٹ کے دہانے پر ہوا

تھا۔ اگر ایسا ہوا تو پروفیسر بے خبری میں مارا جائے گا۔ عمران نے سوچا۔ پھر اس سلسلے میں بھی کچھ کرنے ہی والا تھا کہ عقب سے آواز آئی۔ اپنی بندوق پھینک کر کھڑے ہو جاو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ زبان شکرالی تھی۔

ٹامی گن اس وقت عمران کے ہاتھوں میں تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شکرالی عقاب کی نظر رکھتے ہیں لہذا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ چپ چاپ تعمیل کرتا۔ پھر خانزادی بھی ساتھ تھی۔ اس کا تحفظ مقدم تھا۔ وہ ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔

اب مڑ جاو۔ کہا گیا۔

عمران آواز کی طرف مڑا۔ دو ریوالور اس کی جانب مڑے تھے۔ لیکن ایک آدمی کی نظر خانزادی پر بھی تھی۔

وہ خالی ہاتھ ہے۔ عمران نے شکرالی میں کہا۔

دوسرے آدمی نے آگے بڑھ کر عمران کی ٹامی گن اٹھالی۔

عمران کو علم نہیں تھا کہ دوسری طرف سے درے کے علاوہ بھی اوپر آنے کا کوئی اور راستہ موجود ہے ورنہ وہ پروفیسر کو لومڑی کے بھٹ کی طرف ہرگز نہ بھیجتا۔ اسی راستے کی نگرانی پر لگا تا لیکن اب تو فروگذاشت ہو ہی چکی تھی۔

پھر خانزادی سے بھی اٹھنے کو کہا گیا۔

وہ تمہاری زبان نہیں سمجھ سکتی۔ عمران نے کہا اور خانزادی سے بولا۔ کھیل ختم کھڑی ہو جاو۔

ویسے خدا کا شکر ہے کہ کچھ دیر کے لیے تمہاری زبان رکی۔

خانزادی بسور کر رہ گئی تھی۔

تم شکرالی بول سکتے ہو لیکن شکرال کی کسی بستی کے نہیں معلوم ہوتے؟۔ ایک آدمی نے کہا۔

میں نے کب کہا ہے؟۔ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

تمہارا ایک آدمی ہمارے قبضے میں ہے۔

بڑے دعوے کر کے گیا تھا کہ اس بستی کے دو شکرالی اس کے دوست ہیں۔

اگر اس نے ہم میں سے دو کے نام نہ لیے ہوتے تو اب تک مار ڈالا گیا ہوتا۔

تو کیا تم نے اسے بادشاہت بخش دی ہے؟۔

نہیں، وہ ان دونوں کی واپسی تک زندہ رہے گا۔۔۔۔ وہ غصیلی آواز میں بولا تھا۔ چلو۔

کہاں چلوں؟۔

تمہیں بھی بستی میں چل کر جوابدہی کرنی ہے۔ ہم کسی غیر شکرالی کو اپنی سرحد پر برداشت نہیں کر سکتے۔

ہم ادھر سے آئے ہیں اور تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ادھر کیا ہو رہا ہے؟۔ عمران نے بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ہم کچھ نہیں جاننا چاہتے۔

چلو۔۔۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وہ نیچے اتر کر درے کے دوسرے سرے کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

ہمارا ایک آدمی اور بھی ہے۔ عمران نے کہا۔

وہ پہلے ہی پکڑا جا چکا ہوگا۔ جواب ملا۔

غار میں نہیں تھا۔

پھر کہاں ہے؟۔ دونوں چلتے چلتے رک گئے اور ان کے ریوالور عمران کی کنپٹیوں سے جا لگے۔

یہ کیا کر رہے ہو؟۔ عمران غصے سے بولا۔

اگر اس نے چھپ کر کوئی حرکت کی تو تم زندہ نہیں رہو گے۔

اس بے چارے کو پتہ ہی نہ ہوگا کہ ہم پر کیا گزری۔

کیوں؟۔

وہ ادھر والوں کی نگرانی کر رہا ہے۔

چلو۔ اسے بھی ساتھ لو۔ اور تمہیں اسی طرح چلنا ہوگا۔

یعنی میرے کنپٹیوں پر ریوالور رکھے رہیں گے؟۔

ہاں بالکل اسی طرح۔

اس طرح چلنا میرے لیے ناممکن ہوگا۔

یہ اب کیا کہہ رہے ہیں؟۔ خانزادی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

کہہ رہے ہیں کہ لڑکی سے کہو بولتی چلے۔ کم از کم لڑکی تو معلوم ہو۔

تمہیں اس وقت بھی شرارت سوجھ رہی ہے؟۔

عمران کچھ نہ بولا۔

کیا بات ہے؟۔ شکرالی نے پوچھا۔

پوچھ رہی ہے کہ یہ لوگ آدم خور تو نہیں ہیں؟۔

اس سے کہو شکرال میں عورتیں محفوظ رہتی ہیں۔ چلو بتاؤ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟۔

عمران انہیں بھٹ والی دراڑ تک لایا تھا۔ انہوں نے اسے حیرت سے دیکھا اور ایک نے کہا۔

ادھر تو کچھ بھی نہیں ہے۔

میں نے کب کہا ہے کہ ادھر بھی کچھ ہے۔ عمران نے کہا تھا اور پروفیسر کو آوازیں دینے لگا تھا۔

ہم دھر لیے گئے ہیں۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ میرے دونوں کنپٹیوں سے ریوالور لگے ہوئے ہیں۔ واپس آ جاو۔ اور خود کو ان کے حوالے کر دو۔ ورنہ میں مفت میں مارا جاوں گا۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر دکھائی دیا تھا اور اس نے عمران کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا تھا مشین پستول اس سے لے لیا گیا۔

دونوں قیدیوں کی طرح چل رہے تھے بالآخر شکرالی اپنے آدمیوں سے جا ملے۔

ٹھیک ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔

اس کی ضرورت نہیں۔ عمران بولا۔ اور وہ چونک کر اسے گھورنے لگا۔

تم کس بستی سے تعلق رکھتے ہو بھائی؟۔ اس نے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

میں شکرالی نہیں ہوں۔

لیکن۔۔۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ عمران کو بغور دیکھے جا رہا تھا تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

تمہاری شکل جانی پہچانی لگتی ہے۔

اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمیں قیدیوں کی طرح نہ لے چلو ورنہ بعد میں تمہیں اپنی حرکت پر پچھتانا پڑے گا۔

تم لوگ آخر یہاں کیوں آئے ہو۔ کیا چاہتے ہو؟۔

وہ آدمی جو بستی میں مدد لینے گیا ہے۔ اس طرف کا ایک مظلوم آدمی ہے۔ اس کی بدقسمتی ہے کہ اس کے دونوں شناسا اس وقت بستی میں موجود نہیں۔

وہ تو ادھر کا ہے۔۔۔۔ لیکن تم۔۔۔۔۔؟

میں مقلاتی ہوں۔

پہچان لیا۔۔۔۔ میں نے تمہیں پہچان لیا۔ شکرالی یک بیک اچھل کر بولا پھر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کے ہاتھ چومنے لگا نہ صرف خانزادی اور پروفیسر بلکہ دوسرے شکرالی بھی حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔

ہاتھ چومنے کے انداز میں والہانہ پن تھا۔ عمران اس طرح کھڑا تھا جیسے وہ اس کا حقدار ہو شکرالی تیزی سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا کر بولا۔ ارے بدبختو، یہ سرداروں کے سردار شہباز کوہی کا روحانی بھائی صف شکن ہے۔ اسے تعظیم دو۔ ورنہ تمہارے باپ قبروں میں

کراہنے لگیں گے۔

پھر خانزادی اور پروفیسر نے دیکھا کہ وہ سبھی باری باری سے عمران کے ہاتھ چوم رہے ہیں۔

جادوگری۔۔۔۔سو فیصدی جادوگری۔ خانزادی بڑبڑائی۔

تم لوگوں نے میرے ساتھی کے ساتھ کوئی بدسلوکی تو روا نہیں رکھی۔ عمران نے پوچھا۔

مجھے بے حد افسوس ہے۔ شکرالی مغموم لہجے میں بولا۔ لیکن یہ سب کچھ لاعلمی کی بنا پر ہوا۔ اگر وہ تمہارا نام لے لیتا تو اس وقت بستی کا بچہ بچہ تمہارے استقبال کو یہاں پہنچ گیا ہوتا۔ سنجیدہ خان محتاط کے بیٹے ہمیں بیحد افسوس ہے۔

میں نے پوچھا تھا کہ تم نے میرے ساتھی سے برا برتاؤ تو نہیں کیا؟۔

تشدد کے بغیر اس نے تمہاری نشاندہی نہیں کی تھی۔

زندہ ہے یا مر گیا؟۔ عمران نے بوکھلا کر پوچھا۔

ہے تو زندہ ہی۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔شاید اب موت کی دعائیں مانگ رہا ہو۔ تم خود ہی کیوں نہیں چلے آئے تھے بستی میں۔

یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ چل کر اس کی خبر لیں۔ عمران بولا۔

خانزادی اور پروفیسر خاموش کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پتھر کے مجسموں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

آٹھ گھوڑوں میں سے تین انکے حوالے کئے گئے۔ اور ان کے سواروں سے کہا گیا کہ وہ

مہمانوں کے سامان لے کر پیدل چلیں۔

آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟۔ خانزادی پھر بڑبڑائی۔ اس کا گھوڑا عمران کے گھوڑے کے برابر ہی چل رہا تھا۔

جو کچھ بھی ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔ عمران بولا۔

آخر تم نے کیا کہہ دیا تھا کہ یہ خون کے پیاسے تمہارے ہاتھ چومنے لگے؟۔

جادو کے تین لفظ۔۔۔۔وہ بھی انگریزی میں۔۔۔۔آئی لو یو۔۔۔۔لیکن خدارا کہیں تم کسی سے یہ نہ کہہ بیٹھنا۔ عورتوں کی زبان سے یہ سننے کے روادار نہیں۔

باتوں میں نہ اڑاؤ۔

یہ مسائل تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ ان کا فلسفے سے کوئی تعلق نہیں۔

تم آخر ہو کون؟۔

میرے والدین کو بھی ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ میں کون ہوں؟۔

والدین بھی ہیں تمہارے؟۔

کس کے نہیں ہوتے؟۔

لیکن مجھے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے ابھی ابھی آسمان سے ٹپکے ہو۔

میرے ساتھ ان کے برتاؤ پر حیرت کا اظہار ہرگز نہ ہونے دینا۔ خصوصیت سے اس پر تمہاری توجہ ہونی چاہئے۔

آخر کیوں؟۔ تم بتاتے کیوں نہیں؟۔

اس قصے کو چھوڑو۔ شائد خان شہباز کی خاصی پٹائی ہوئی ہے۔

کیوں؟۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ تنہا ہے یا اور بھی کچھ ساتھی ہیں مجھ یقین ہے کہ خان شہباز نے تشدد کی انتہا ہو جانے ہی پر ہماری نشاندہی کی ہوگی۔

جب تم ان لوگوں میں اتنے محترم تھے تو پھر خود ہی کیوں نہیں گئے تھے بستی میں۔ خان کو کیوں جانے دیا تھا۔

میں یہاں اپنی موجودگی ظاہر کئے بغیر ہی نکل جانا چاہتا تھا۔

آخر کیوں؟۔

تمہیں معلوم ہی ہو جائے گا جب دو چار ماہ یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔

کیوں ٹھہرنا پڑے گا۔

مناسب یہی ہوگا کہ اپنی اس کیوں کو لگام دو ورنہ گھوڑے بھڑکنے لگیں گے۔ یہاں کے لوگ انہیں ایڑ کی بجائے کیوں لگاتے ہیں۔

اڑا لو مذاق بے بس ہوں نا۔

عورت اور بے بس۔۔۔۔۔ دنیائے عورات کی تاریخ مسخ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ جس کی زبان بس میں نہ ہو اسے بے بس کہنا کسی طرح درست نہیں۔

تم بہت شاکی ہو میری زبان کے۔ حالانکہ میں بہت کم بولتی ہوں۔

ٹریجڈی تو یہی ہے کہ ساتھ ہی ساتھ کم سخنی کا بھی دعوی ہوتا ہے۔

تم عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔

ایک عورت ہی نے مجھے پیدا کر کے مصیبت میں ڈال دیا ہے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا۔

مجھ سے زیادہ تم خود بکواس کرتے ہو۔

لینگویج پلیز۔ ابھی تم دیکھ ہی چکی ہو کہ یہ لوگ میرے ہاتھ چوم رہے تھے۔ میں پیر عبدالمنان دام فیوضہ ہوں۔

وہ برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر پروفیسر کا گھوڑا آگے بڑھ آیا تھا۔

آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟۔ اس نے کہا۔

یار تم کان نہ چاٹو۔ یہ خاتون ہی کیا کم ہیں؟۔

میرا ذہن ماوف ہوا جا رہا ہے۔

کیا تکلیف ہے تمہیں۔ پیدل ہونے کی بجائے گھوڑے پر ہو۔ اور جو ہمیں پکڑنے آئے تھے۔ خود پیدل ہو گئے ہیں۔

یہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یک بیک پانسہ کیسے پلٹ گیا؟۔

میں نے انہیں بتایا تھا کہ میرا سلسلہ نسب چنگیز خان سے ملتا ہے۔ اور میرے والدین من وعن بالکل چنگیز خان کی تصویر ہیں۔

مجھ بہلانے کی کوشش نہ کیجیے۔

اپنے کام سے کام رکھو۔ اور تم بھی سن لو کہ میرے ساتھ ان کے کسی قسم کے بھی برتاو پر حیرت ظاہر نہ کرنا۔ میں یہاں صف شکن کے نام سے پہچانا جاتا ہوں۔ اور وطن مالوف مقلاق ہے۔

میرے ملک کا نام بھی نہ چھٹنے پائے تمہاری زبان سے۔

مجھے شکرالی آتی ہی نہیں۔

لیکن یہاں تمہیں اپنی زبان بولنے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔

خان شہباز کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟۔

عمران نے جو کچھ بھی سنا تھا اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ یہاں جس نے بھی میرے مشورے کے خلاف کچھ کیا ضرور مارا جائے گا۔

جب آپ شکرال کے معاملات میں اس حد تک دخیل تھے تو پہلے ہی بستی کا رخ کیوں نہیں کیا تھا؟۔

جلد ہی اس کو وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائی گی۔ تم یہی محسوس کرو گے جیسے یہ شکرال نہیں بلکہ میری سسرال ہو آج نہیں کل چلے جانا۔۔۔۔ اس آج کل میں سال کا اختتام بھی ہو سکتا ہے۔

یہی تو پوچھنا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟۔

اللہ کی مرضی۔۔۔ تم کون ہوتے ہو مجھے بور کرنے والے؟۔

بستی سے کسی قدر فاصلے پر انہیں رکنا پڑا۔ رہنمائی کرنے کے والے شکرالی نے عمران سے کہا۔

تم لوگ یہیں رکو۔

میں بستی کے لوگوں کو تمہاری پیشوائی کے لیے لاوں گا۔

عمران نے سر کو جنبش دی تھی۔

وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ عمران نے مڑ کر خانزادی کی طرف دیکھا تھا جیسے نئے سوالات کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہو۔

کیوں جلا رہے ہو؟۔ وہ غصیلی آواز میں بولی۔

پوچھو پوچھو۔۔۔ کہ اب کیا ہو رہا ہے؟۔ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

میں تہیہ کر چکی ہوں کہ بالکل خاموش رہوں گی۔

خیر۔ میں ہی بتائے دیتا ہوں۔ وہ اس لیے گیا ہے کہ بستی کے لوگوں کو میری پیشوائی کو لے آئے۔

کہاں کے بادشاہ ہو؟۔

کافی ہاوز کا۔

بہرحال جلد ہی عمران کے قول کی صداقت کو پرکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ لوگ نہ صرف پیشوائی کو آئے تھے بلکہ رائفلوں سے ہوائی فائر کر کے عمران کو سلامی بھی دی تھی۔

اب تو تم سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔ خانزادی نے کہا۔

خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ میرے احوال سے عبرت پکڑنے کی کوشش کرو۔

چپ بھی رہو خانزادی۔ پروفیسر بولا۔

وہ بستی میں داخل ہوئے۔ لڑکیاں استقبالی گیت گا رہی تھیں سچ مچ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی سربراہ مملکت کا سواگت کیا جا رہا ہو۔

بستی کا سردار وہی شخص ثابت ہوا جس نے عمران کو پہچانا تھا خان شہباز کے سلسلے میں اس کی ندامت آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ عمرنا کے استفسار پر اس نے بتایا کہ خان شہباز ابھی تک بیہوش ہے۔

مجھے فوراً اس کے پاس لے چلو۔ عمران بولا۔

اس نے خانزادی کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

کیا یہ تمہارے سرکس میں کام کرتی ہے۔ صف شکن؟۔ شکرالی نے پوچھا۔

نہیں۔ یہ اسی مظلوم کی بھتیجی ہے۔

مجھے بے حد افسوس ہوا۔ بیحد افسوس ہے۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ تینوں اس خیمے میں آئے تھے جہاں خان شہباز بیہوش پڑا تھا۔ اس کی پیشانی خون آلود تھی شائد موٹی رسی کے شکنجے میں اس کے سر کی یہ حالت ہوئی تھی۔ رسی کا شکنجہ ایذا رسانی کا روایتی آلہ تھا۔

تم میرا وہ سوٹ کیس منگوا دو۔ جس کے اوپر دو عدد سیاہ دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ عمران نے شکرالی سے کہا۔

بہت بہتر۔ اس نے کہا اور انہیں وہیں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ خانزادی غرائی۔

عمران خاموش رہا پر تشویش نظروں سے خان شہباز کو دیکھے جا رہا تھا۔

تم نے سوٹ کیس کیوں منگایا ہے؟۔ خانزادی نے پوچھا۔

علاج کروں گا۔

اسی شام خانزادی تیمارداری کے دوران میں خان شہباز سے الجھ پڑی کیونکہ اس نے عمران کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔

اس کا قصور کیا ہے۔ اس نے آپ کو بستی میں جانے سے روکا تھا۔

سوال یہ ہے کہ جب یہاں اس کے شناسا موجود تھے تو اس نے مجھے اس سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا؟۔

اس کی اپنی کوئی مصلحت ہوگی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ ہے کیا چیز؟۔

وہ کچھ بھی ہو خان۔ لیکن آپ کو یاد رکھنا ہوگا کہ یہاں اس کا نام صف شکن ہے اور وہ مقلاق کا باشندہ ہے، ہم دونوں اپنے ملک سے فرار ہونا چاہتے تھے۔ صف شکن نے ہمیں اس میں مدد دی ہے اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے ورنہ اسی کے اندیشے کے مطابق ہم چاروں کی گردنیں کٹ جائیں گی۔

سوال تو یہ ہے کہ جب وہ یہاں اتنا ہی مقبول ہے تو پھر بستی میں داخل ہونے سے کیوں گریز کرتا رہا تھا؟۔

اس کی اپنی کوئی مصلحت ہوگی۔ کچھ بھی ہو۔ وہ مجھے دھوکے باز ہرگز معلوم نہیں ہوتا۔

خان شہباز خاموش ہوگیا۔۔۔ وہ عمران کے ایک ہی انجکشن کے اثر سے ہوش میں آیا تھا۔ اور اس وقت طبیعت میں خاصی بحالی محسوس کررہا تھا۔ ویسے درد تو پورے جسم میں تھا۔

عمران اسے خانزادی کے سپرد کرکے خود کہیں چلا گیا تھا۔ پروفیسر بھی اس کے ساتھ ہی گیا تھا۔

خان شہباز کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ تم اس سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہو؟۔

پراسرار شخصیتیں میری کمزوری ہے۔

یہ نہ بھولو کہ وہ ایک غیرملکی جاسوس ہے۔

اور ہم اسی کے ملک میں پناہ لینے جارہے ہیں۔ خانزادی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

شہباز نے اسے غور سے دیکھا اور نظریں جھکالی تھیں۔ خانزادی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

اتنے میں بستی کا سردار اجازت لے کر خیمے میں داخل ہوا تھا۔ سردار شہباز کے لیے تازہ پھل لایا تھا۔

شہباز نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ میرا دل صاف ہوگیا ہے۔

مجھے مسرت ہے۔ اگر تم پہلے ہی صف شکن کا نام لیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔

ہاں یہ اب میں بھی محسوس کررہا ہوں۔ کہاں ہے صف شکن؟۔

وہ اس گاڑی کی مرمت اپنے طور پر کرارہا ہے۔ جس میں تمہیں سفر کرنا ہے۔

خان شہباز تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ہماری کہانی بھی عجیب ہے میں نے درہ خان کی طرفداری کی تھی۔

وہی درہ خان تو نہیں جو تمہارے ملک سے ہمارے لیے چائے لاتا تھا اور ہم سے کھالیں لے جاتا تھا؟۔

وہی۔۔۔ وہی۔۔۔ وہ میرا دوست تھا۔ حکومت نے اسے پکڑ لیا اور یہ راستہ بند کرادیا۔ میں نے مخالفت کی تھی اور خود بھی معتوب ہوگیا تھا۔ اگر صف شکن نہ مل جاتا تو ہم مارے لیے جاتے۔ وہی ہمیں اس طرف نکال لایا۔

لیکن تم درے میں کیونکہ داخل ہوئے تھے وہ تو بند کرادیا تھا تمہاری حکومت نے۔

صف شکن کی عقل کا کرشمہ ہے۔

ہاں۔ وہ اوپر سے نیچے تک عقل ہی عقل ہے۔

لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ بستی میں کیوں نہیں آنا چاہتا تھا؟۔

اس پر سردار مسکرایا تھا۔ خان شہباز اسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

بالآخر سردار نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ ہمارے لیے ایک ہوا کا جھونکا ہے۔ ادھر آیا ادھر گیا۔ سرداروں کے سردار شہباز کو ہی کا روحانی بھائی ہے لیکن اس کے کہنے سے بھی اس نے یہاں زیادہ دنوں تک قیام نہیں کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ہمارے ہاتھ لگ گیا تو ہم اسے عرصہ

تک نہیں جانے دیں گے۔

بس اتنی سی بات تھی؟۔

اور کیا۔۔۔ ورنہ وہ تو ہمارے لیے اپنی جان کی بازی تک لگا چکا ہے۔ شکرالی تو اس کا نام ہی سن کر مودب ہو جاتے ہیں۔ یقیناً تم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے؟۔

صرف تین دن پہلے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے ہماری مدد کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

وہ ایسا ہی ہے۔۔۔۔ خدائی فوجدار سمجھ لو۔ مظلوموں کی مدد کرنے کے سلسلے میں اپنی جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ وہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ اپنا سرکس لے کر ادھر آ نکلا تھا۔ اور ہمیں ایک بڑی تباہی سے بچانے کا ذریعہ بن گیا۔

سرکس؟۔ خان شہباز نے حیرت سے کہا۔

ہاں۔ ہم بہت پریشان تھے۔ فرنگیوں نے سازش کی تھی۔ اور شکرالی دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔

اور شکرال میں صرف سرداروں کے سردار شہباز کو ہی نے اس لعنت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فرنگی کی عقل اسے ٹھکانے لگا دینا چاہتی۔ رب عظیم نے صف شکن کو بھیج دیا۔ اور اس کی عقل نے فرنگی کی عقل کو شکست دے دی۔ وہ جتنا دانشمند ہے اتنا ہی بہادر بھی ہے۔ رب عظیم نے اسے طاقت کا ستون بنا دیا ہے۔

خان شہباز نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

گفتگو خانزادی کے پلے نہیں پڑ رہی تھی لیکن یہ تو جانتی ہی تھی کہ گفتگو کا موضوع کون ہے۔

سردار کے چلے جانے کے بعد شہباز نے اسے بتایا کہ وہ کیا کہتا رہا تھا۔

یاد کیجئے۔ خانزادی بولی۔ وہ کس طرح درے والی چٹان کے اوپر پہنچا تھا۔ مجھے خود بھی یہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ سرکس کا ایک منجھا ہوا آرٹسٹ ہو۔

یہ سیکرٹ ایجنٹ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پتا نہیں دنیا کے کن کن حصوں میں کتنے مختلف ناموں سے پہچانا جاتا ہوگا۔

خانزادی کچھ نہ بولی۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عمران کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے شہباز کی خیریت پوچھی تھی اور ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ چہرے پر وہی پرانا احمقانہ انداز طاری تھا جس سے خانزادی کو وحشت ہونے لگتی تھی۔

کیا کر آئے ہو؟۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

گاڑی ٹھیک کرا آیا ہوں۔ لیکن وہ کم از کم تین دن ہمیں ضرور روکیں گے۔

غالباً سرکس دیکھنا چاہتے ہوں گے۔

سامان کہاں ہے؟۔ عمران مایوس انداز میں بولا۔

جسمانی کرتب ہی سہی۔

عمران کچھ نہ بولا۔

کیا بات ہے۔ تم کچھ مغموم نظر آ رہے ہو؟۔ خان شہباز بولا۔

تین دن بہت ہوتے ہیں۔۔۔۔ مجھے واپسی کی جلدی ہے۔

تین دن سے کیا فرق پڑے گا؟۔

تین کے تیس بھی ہو سکتے ہیں۔

کیوں؟۔

انہوں نے بات آگے تک بڑھادی ہے۔

میں نہیں سمجھا؟۔

ایک ہرکارہ شہباز کی طرف دوڑا دیا ہے۔

اس سے کیا ہوگا؟۔

بس دیکھ لینا جو بھی ہوگا۔

کچھ بتاؤ بھی تو؟۔

چھ مہینے کی ہوگی۔ اس سے پہلے تو ہم یہاں سے ہل بھی نہیں سکیں گے۔

پتہ نہیں کیا کرتے پھر رہے ہو؟۔

میں کیا کرتا پھر رہا ہوں۔ یہ سب تم خود ہی کر بیٹھے ہو۔ خان میرے مشورے پر عمل کرتے تو دودن کے اندر ہی سرحد پار کر جاتے۔

تم لوگوں سے کہہ سکتے ہو کہ فی الحال تم یہاں قیام نہیں کر سکو گے۔ کوئی بہانہ کر دو۔ خانزادی بولی۔

یہ لوگ جتنا خلوص برتتے ہیں اتنے ہی دوسرے سے بھی متوقع ہوتے ہیں، ورنہ پھر ان کی رگ شرارت پھڑک اٹھتی ہے اور اپنے باپ کو بھی نہیں بخشتے۔

تمہاری حیثیت کیا ہے ان میں؟۔ خانزادی نے پوچھا۔

تم دیکھ ہی چکی ہو۔ خود میں ہی اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر سکا سرکس والا بھی ہوں اور یہ لوگ میرے ہاتھ بھی چومتے ہیں۔

اب میں سوچ رہی ہوں کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ فرار ہونے کی بجائے وہیں رک کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے تھا۔

عمران نے خان شہباز کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ چت لیٹا خیمے کی چھت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

میرے لیے ممکن ہے کہ میں تم دونوں کو پھر تمہارے ملک میں پہنچا دوں۔ عمران بولا۔

میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ خان شہباز نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس وقت تک نہیں جاوں گا جب تک کہ وہاں سے ناانصافی کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔

خانزادی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

اسی رات کھانے کے بعد عمران بستی کے سردار کے خیمے میں بیٹھا اس سے شکرالی سورماوں کی کہانیاں سن رہا تھا اور ان کے کارناموں پر جی کھول کر داد دے رہا تھا۔

مگر تمہارا جواب نہیں ہے صف شکن ایک معمر آدمی نے کہا جو بڑے سے پیالے میں تیمال پی رہا

تھا۔

میں کچھ بھی نہیں ہوں تم جیسے جہاندیدہ بہادروں کے سامنے۔

یہی تمہاری بڑائی ہے کہ تجربہ کاروں کے آگے سر اونچا نہیں کرتے۔

عمران کچھ نہ بولا۔

بستی کے سردار نے کہا۔ کاش تم اپنا سرکس بھی لائے ہوتے۔

میں نے وہ پیشہ عرصہ ہوا ترک کر دیا۔ زیادہ منفعت بخش نہیں رہ گیا تھا۔

اب کیا کرتے ہو؟

گھوڑوں کی تجارت۔

کبھی ادھر بھی لاو اپنا گلہ۔

ضرور لاوں گا۔

دفعتاً وہ چونک پڑے۔ تیز دوڑتے ہوئے ٹاپوں کی آواز ہوا کے جھونکے کے ساتھ آئی تھی۔

دور کی آواز تھی۔

شائد وہ لوگ واپس آ رہے ہیں۔ سردار بولا۔ اب دیکھیں تم یہیں رہتے ہو یا سردار شہباز کے پاس جاتے ہو۔

تھوڑی دیر بعد آوازیں کچھ اور قریب ہو گئیں تھیں۔

یہ تو دو سے زیادہ گھوڑے معلوم ہوتے ہیں۔ سردار اٹھتا ہوا بولا تھا۔ کیا سردار شہباز خود ہی چلے آ رہے ہیں۔

اس نے عمران کے چہرے پر نظر جما دیں تھیں۔ عمران مسکرا کر بولا۔ ہونا تو یہی چاہیئے۔ سردار شہباز کا روحانی بھائی ہوں۔

بڑی محبت اور عقیدت سے تمہارا ذکر کرتے ہیں۔

شادی کی یا نہیں۔

کی تھی لیکن بیوی دو سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ اس کے بعد پھر نہیں کی۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں اب بہت قریب ہو گئی تھیں۔ ساتھ ہی کسی قسم کے نعرے بھی فضا میں گونجے تھے۔

وہ سب خیمے سے باہر نکل آئے۔ مشعلوں کی روشنی میں گیارہ سوار دکھائی دیئے تھے۔

آہا۔ یہ تو سردار داراب ہیں۔۔۔ سردار آگے بڑھتا ہوا بولا۔

داراب سردار شہباز کا سوتیلا بھائی تھا۔ یہ اس معرکے میں عمران کا ساتھ دے چکا تھا جس کی بنا پر یہاں پر اس کی اتنی مان دان تھی۔

وہ عمران سے اس طرح بغلگیر ہوا تھا جیسے بغلگیر ہوتے ہی طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا ہو۔

ایک منٹ تک لپٹا ہی رہ گیا تھا۔ بالکل بے حس و حرکت۔

خانزادی بھی اپنے خیمے سے نکل آئی تھی اور عجیب مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

او۔۔۔ صف شکن۔۔۔۔ میرے بڑے بھائی۔ داراب کہہ رہا تھا۔ رب عظیم ہم پر مہربان ہے کہ اس نے تمہیں پھر بھیج دیا۔

کوئی خاص بات؟۔

بہت ہی خاص۔۔۔۔ لیکن یہاں نہیں بتا سکتا۔ وہ آہستہ سے بولا تھا تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔

شہباز تو ٹھیک ہے۔

ہاں ہاں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔

عمران انداز سے سمجھ گیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

میرے ساتھ تین افراد اور ہیں۔ عمران نے کہا۔

میں سب سن چکا ہوں۔۔۔۔ اور مجھے افسوس ہے۔ داراب نے کہا۔

جو کچھ بھی ہوا غلط فہمی کی بنا پر ہوا۔ ان سے کہو تیار ہو جائیں۔ ہم ابھی واپس جائیں گی۔

سردار۔ میری خواہش تھی کہ کم از کم تین دن تک مجھے میزبانی کا موقع دیتے۔ بستی کا سردار بولا۔

نہیں دوست، ابھی نہیں۔۔۔۔ بعد میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔ مجھ سے جو کہا گیا ہے وہی کر رہا ہوں۔ داراب نے کہا۔

کم از کم اسے تو ہمارے پاس ہی رہنے دو جس کو ہم سے دکھ پہنچا ہے۔

یہ صف شکن کی مرضی پر ہے۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔ عمران بولا۔ میرے اس ساتھی کو آرام کی ضرورت ہے۔ لیکن میں ذرا اس سے پوچھ لوں۔

وہ انہیں چھوڑ کر خان شہباز کے خیمے میں آیا تھا۔

لوگ چلے ہی آرہے ہیں تمہارے درشن کرنے۔ خانزادی ہنس کر بولی۔

بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں خانزادی۔ اب مجھے وسطی آبادی میں لے جا رہے ہیں۔ عمران نے کہا اور شہباز کی طرف دیکھ کر بولا تم لوگ چاہو تو ساتھ چل سکتے ہو اگر یہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے؟۔

ساتھ چلیں گے۔ خانزادی بول پڑی۔

نہیں۔ خان شہباز نے کہا۔ مناسب یہی ہوگا کہ ہم یہیں رکیں۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔

ہوا کرے تمہارا خیال، میں تو نہیں رہوں گی۔

میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں یہی بہتر ہوگا۔ خان شہباز بولا۔ اور پھر میں اپنی موجودہ حالت کی بنا پر سفر کے قابل نہیں ہوں۔

کیا پروفیسر بھی جائیں گے تمہارے ساتھ؟۔ خانزادی نے پوچھا۔

وہ بھی تو زخمی ہے۔

اوہ۔ تو تنہا جا رہے ہو؟۔

ہاں۔ تم لوگ یہاں قطعی محفوظ ہوگئے۔ اور یہ لوگ غلاموں کی طرح تمہاری خدمت کرتے رہیں گے۔

تم واپس کب آ وگے؟۔

خدا ہی جانے۔

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی؟۔

یقین کرو خانزادی، خان شہباز نے بستی کا رخ کر کے مجھے بڑی ہی زحمتوں میں ڈال دیا ہے۔

پروفیسر نے یہ خبر سنی تو برا سا منہ بنا کر بولا۔ مجھے تو شکرالی بھی نہیں آتی۔ پاگل ہو کر رہ جاوں گا۔

خان شہباز کو آتی ہے شکرالی۔ اور خانزادی کو حافظ کی غزلیں یاد ہیں۔ ۔ لہذا تم پاگل نہیں ہوسکتے۔

میں بھی کیوں نہ آپ کے ساتھ چلوں؟۔

تمہاری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ اب تم چھٹی پر ہو۔ اور میں ٹھہرا غیر شادی شدہ۔ اس لیے کسی کا بھی پابند نہیں ہوں۔ جب میرا دل چاہے گا واپس جا کر رپورٹ پیش کردوں گا۔

آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

دیکھو دوست میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ مجھے کیوں لے جا رہے ہیں۔

اچھی بات ہے۔ وہ طویل سانس لے کر بولا۔

بے فکری سے میرے منتظر رہنا۔ شکرالی اب تمہارے دوست ہیں۔

سوال تو یہ ہے کہ میں کب تک منتظر رہوں گا؟۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا میں اس کا انتظام بھی کئے دیتا ہوں کہ جب تم چاہو یہ لوگ تمہیں سرحد پار کرادیں تم اپنے ملک واپس جاو خانزادی اور خان شہباز میرے منتظر رہیں گے۔

یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ٹھیک ہے۔ عمران مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ خدا حافظ۔

گھوڑوں کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اندھیرے میں بھی وہ اپنے جانے پہچانے راستوں پر بے تکان دوڑے جا رہے تھے

یہ سفر دوسری صبح تک ملتوی بھی کیا جا سکتا تھا لیکن داراب کو جلدی تھی اور اس نے اب تک عمران کو اس عجلت کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ عمران بھی ایسا بن گیا تھا جیسے مزید پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہ سمجھتا ہو۔

گھوڑے آگے پیچھے دوڑے جا رہے تھے۔ دفعتاً اس نے داراب کو بہت اونچی آواز میں کہتے سنا۔ غاروں کی طرف۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں عمران کو معلوم ہو گیا کہ سفر جاری نہیں رکھا جائے گا۔

قیام کے لیے جو غار منتخب کیا گیا تھا وہ اتنا کشادہ تھا کہ اس میں دسوں گھوڑے بھی کھپ گئے تھے۔ غار کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ادھر سے گزرنے والے قافلے وہاں شب بسری کرتے ہی رہتے ہیں۔ الاو کے لیے جگہ مخصوص تھی اور اس میں آگ بھی موجود تھی بس

تھوڑی سی خشک لکڑیاں ڈال کر اسے بھڑکانے کی دیر تھی۔ اس کام میں بھی زیادہ وقت نہیں صرف ہوا۔ مدھم سی زرد روشنی چاروں طرف پھیل گئی اور داراب عمران کو الاؤ کے قریب لا کر اس طرح اس کا جائزہ لینے لگا جیسے بستی میں نظر بھر کر دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔

سب ٹھیک ہے؟۔ عمران سر ہلا کر بولا۔

کیا ٹھیک ہے؟۔

صف شکن کے بھیس میں کوئی خبیث روح نہیں ہے۔

داراب قہقہہ لگا کر بولا۔ بالکل نہیں بدلے ہو۔ بیٹھ جاؤ بھائی۔ میں تو اس طرح اس لیے دیکھ رہا تھا کہ اپنی آنکھوں کو تمہاری موجودگی کا یقین دلا دوں۔

عمران الاؤ سے ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر داراب بھی اس کے قریب ہی بیٹھتا ہوا بولا۔ مجھے یقین ہے کہ بڑے عابد کی دعا ہی تمہیں اچانک یہاں لے آئی ہے۔

شاید میرے ساتھی کی پٹائی بھی شامل تھی بڑے عابد کی دعا میں۔

اس بے وقوف کو تنہا نہ جانا چاہیے تھا بستی میں۔ تمہیں آخر پیچھے ہی کیوں چھوڑ آیا تھا۔ شکرال کی ہر بستی میں تمہارے شناسا موجود ہے۔

جلدی سے بتا بھی چکو۔ کس پریشانی میں مبتلا ہو؟۔ عمران نے کہا۔

داراب چند لمحے خاموشی سے آلاؤ پر نظریں جمائے رہا۔ پھر بولا۔

پندرہ دن پہلے کی بات ہے۔ گلترنگ کے میلے میں تجدید عہد کی رات تھی۔ بڑے عابد ہر بستی

کے سردار کو باری باری سے طلب کر کے اس رسم کی ادائیگی کر رہا تھا جب ان میں رحبانی سردار شہداد یا اس کا کوئی نمائندہ نظر نہ آیا تو بڑے عابد نے اس پر تشویش ظاہر کی۔ شکرال میں یہ پہلا واقعہ تھا جب کسی بستی کے سردار نے تجدید کی رات کو زیارت گاہ میں حاضری نہ دی ہو۔ بالآخر، ایک عورت آگے بڑھی اور اس نے سردار شہداد کی بیوی ہونے کا دعوی کیا اور سردار شہداد کی عدم موجودگی کے جواز میں ایک حیرت انگیز کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ اس کے شوہر نے اپنے دس ساتھیوں سمیت زرد ریگستان کا سفر کیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کی واپسی دوسروں کی لاعلمی میں ہوئی اور وہ سب کے سب حجرہ نشین ہو گئے ہیں۔ سردار شہداد بھی انہی میں شامل ہیں۔ کسی نے اس وقت سے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں اور وہ دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر کسی نے انہیں دیکھنے کی کوشش کی تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے بہر حال وہ عورت عذر کر کے چلی گئی لیکن میرے بھائی سردار شہباز کوہی نے دعوی کیا کہ وہ سردار شہداد کی بیوی نہیں تھی۔

کس بنا پر کیا تھا دعوی؟۔ عمران نے سوال کیا۔

وہ دیکھ چکا تھا شہداد کی بیوی کو۔ اس سے اچھی طرح واقف تھا اور پھر کوئی شکرالی عورت کسی مرد کی نمائندگی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ ہماری اپنی روایات ہیں۔

سمجھ گیا۔ آگے کہو۔ عمران بولا۔

سردار شہباز نے عورت کا تعاقب کیا تھا۔ وہ خیموں کی طرف جانے کی بجائے غاروں کی طرف گئی تھی۔ اور وہ وہاں اس طرح غائب ہوئی کہ پھر اس کا سراغ نہ مل سکا۔ سردار شہباز نے

بڑے عابد کو اس وقعے کی اطلاع دی اور بڑے عابد نے اس معاملے کی چھان بین سردار شہباز کے سپرد کر دی۔ وہ دوسرے ہی صبح چھ لڑاکوں کو ساتھ لے کر رحبان کی طرف روانہ ہو گیا تھا پانچ دن گزر جانے پر بھی اس کی واپسی نہ ہوئی تو ہم سب تشویش میں مبتلا ہو گئے پھر میں نے چند ساتھیوں سمیت رحبان کا رخ کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ شہداد کی بیوی گلترنگ نہیں گئی تھی۔ بیوی کیا رحبان کا کوئی فرد بھی گلترنگ نہیں گیا تھا۔ وجہ یہی تھی کہ نہ تو سردار ہی نے میلے میں شرکت کی تھی اور نہ اس نے کسی کو اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا لیکن وہ بات بھی درست نکلی جس کا ذکر اس نامعلوم عورت نے بڑے عابد سے کیا تھا۔ یعنی سردار سمیت بستی کے گیارہ آدمی زرد ریگستان کے سفر سے واپس آ کر حجرہ نشین ہو گئے تھے۔ اور اب بھی یہی کیفیت تھی۔ کسی نے ابھی تک ان کی شکلیں نہیں دیکھی تھی صرف آوازیں سنی جاتی تھیں۔

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

لیکن سردار شہباز۔ ۔ ۔ ۔ تم شہباز کی بات کر رہے تھے؟۔ عمران نے کہا۔

سردار شہباز اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ بھی تو نہ معلوم ہو سکا۔ سردار دار اب بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ رب عظیم ہی جانے کہ ان پر کیا گزری۔ رحبان میں ایک فرد بھی ایسا نہ مل سکا جس نے انہیں وہاں دیکھا ہو۔

بڑی عجیب بات ہے۔ عمران سر ہلا کر بولا۔

پھر میں نے بہت کوشش کی تھی کہ سردار شہداد اپنے حجرے کا دروازہ کھول دے۔ بڑے عابد کا واسطہ بھی دیا تھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اس طرح اس کے دس ساتھیوں کے حجرے بھی کھلوانے کی کوشش کی تھی۔

انہوں نے بھی شکلیں نہیں دکھائیں۔ عمران نے پوچھا۔

نہیں۔

دروازے توڑ دیتے حجروں کے؟۔

میں یہی کرتا۔ لیکن چونکہ وہ کام بڑے عابد کی طرف سے شہباز کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس لیے بڑے عابد کی اجازت ضروری تھی۔ میں پھر گلترنگ واپس گیا لیکن خود بڑے عابد حجرہ نشین ہو گئے تھے۔ گلترنگ کے میلے کے بعد وہ ایک ہفتے کا چلہ کھینچتے ہیں۔ نہ کسی سے ملتے ہیں اور نہ کوئی ان کی آواز سنتا ہے حتی کہ کسی قسم کا پیغام بھی نہیں بھجوایا جا سکتا یہ رسم بھی زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔

وہ خاموش ہو گیا اور عمران بھی کچھ نہ بولا تھا۔ کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ حجرہ نشین کیوں ہو گئے ہیں؟۔

کیا بتاوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک افواہ تھی ان لوگوں سے متعلق کسی نے ان لوگوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ دیکھ لیا تھا۔ دراصل ان کے حجروں کے دروازوں پر کھانا پانی رکھ دیا جاتا ہے۔ کھانا اٹھانے کے لیے جو ہاتھ حجرے سے نکلا تھا بالشت بالشت بھر لمبے اور گھنے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔

خوب، عمران سر ہلا کر بولا۔ تو تم بھی اسے محض افواہ سمجھتے ہو؟

جو کچھ میں نے سنا تھا تمہیں بتایا۔ حقیقت کیا ہے رب عظیم ہی جانے بڑے عابد سے اجازت مل سکی ہوتی تو میں سارے دروازے توڑ کر رکھ دیتا۔

بڑے عابد نے تفتیش کا کام شہباز کے سپرد کیا تھا لہذا ہمیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔

میں نہیں سمجھا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

صرف شہباز کی تلاش سے سروکار رکھو۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن آخر وہ گیارہ آدمی ہی تو ان کی گمشدگی کا باعث بنے ہیں۔

تلاش کہاں سے شروع کی تھی؟۔

رحبان سے۔

جبکہ ان کا رحبان تک پہنچنا ثابت ہی نہ ہو سکا۔

ہاں یہ تو نہیں ثابت ہو سکا کہ وہ رحبان پہنچے ہوں۔

تلاش دراصل گلترنگ سے شروع کرنا چاہئے تھی ان غاروں سے جہاں وہ نامعلوم عورت غائب ہوئی تھی۔

داراب کچھ نہ بولا۔

اگر وہ اتنی ہی چالاک عورت تھی تو اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ عورت کی نمائندگی شکرال کی روایات کے خلاف ہے؟۔ عمران نے کہا۔

ہاں۔ یہ تو ہونا ہی چاہئے۔

تو پھر وہ یہی چاہتی تھی کہ اس بارے میں چھان بین کی جائے۔

اچھا تو پھر؟۔

ہوسکتا ہے اسے یہ بھی علم رہا ہو کہ میلے میں موجود کوئی شخص شہداد کی بیوی کو پہچانتا ہے۔

ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ کہتے رہو۔۔۔۔۔ میں سمجھ رہا ہوں۔

لیکن۔۔۔۔ یہ بات تو سچ ہی تھی کہ شہداد اور اس کے دس لڑاکے حجرہ نشین ہو گئے ہیں۔

میں کب کہتا ہوں کہ غلط تھی۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ شہداد کی بیوی نہیں تھی تو اسے اس معاملات سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟۔

یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔

بہر حال شہداد اپنے چھ لڑاکوں سمیت غائب ہو گیا اور تم نے حجرہ نشین ہو جانے والے ایک لڑکے کے بالدار ہاتھ سے متعلق افواہ بھی سنی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ افواہ نہ ہو۔ حقیقت ہی ہو۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو؟۔

فی الحال صرف اتنا سمجھ لو کہ کوئی شکرالیوں میں لہراس پھیلانا چاہتا ہے۔

آخر کیوں؟۔

یہی دیکھنا ہے۔ عمران نے کہا اور آلاؤ کو ایک لکڑی سے اشتعال دینے لگا۔ داراب بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ عمران تھوڑی دیر بعد بولا۔ اب سونے کی تیاری کرو۔ صبح ہم سیدھے گلترنگ

کی طرف چلیں گے۔ میں ان غاروں کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ جہاں وہ عورت شہباز کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

اچھی بات ہے۔

ان سبھوں نے الاؤ کے گرد کمبل بچھائے تھے اور لیٹ گئے تھے۔

داراب عمران کی طرف کروٹ لے کر بولا۔ کئی راتوں کے بعد شائد آج میں پوری نیند لے سکوں۔ اور تم صف شکن۔ تم ہم سے ملے بغیر چپ چاپ نکل جانا چاہتے تھے۔

میں بہت جلدی میں تھا داراب۔ لیکن اب تو مجھے اس معاملے کو دیکھنا ہی پڑے گا۔

اچھا اب سو جاؤ۔ داراب جماہی لے کر بولا۔

دوسری صبح خوشگوار نہیں تھی۔ خشک اور سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ سورج طلوع ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے سفر کا آغاز نہیں کیا تھا۔ جب دھوپ میں کسی قدر تمازت آ گئی تو گھوڑوں کی باگیں اٹھا دی گئیں۔

آسمان صاف تھا۔ دھوپ خوشگوار لگ رہی تھی۔ اور ٹھنڈی ہوائیں اب تلوار کی سی کاٹ نہیں رہی تھی۔

سنگلاخ زمین پر گھوڑوں کی ٹاپیں بجتی رہیں۔ وہ خاصی تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔

دن ڈھلتے ہی گلترنگ پہنچے گئے اب ان کا رخ غاروں کی طرف تھا۔ گھوڑوں کی رفتار معمولی تھی جیسے وہ لوگ محض سیر و شکار کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے ہوں۔ کوئی مہم درپیش نہ ہو۔

کیا تم میرے لیے بھی اپنا ہی جیسا لباس مہیا کر سکو گے؟۔ عمران نے داراب سے پوچھا۔

فوری طور پر ناممکن ہے۔ کسی بستی ہی میں یہ کام ہو سکے گا۔

خیر۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ دیکھا جائے گا۔

کیا یہ ضروری ہے؟۔

میں نہیں چاہتا کہ لوگ خصوصیت سے میری طرف متوجہ ہو جائیں۔

میں سمجھ گیا۔

تم رحبانی سردار کی بیوی سے ملے تھے؟۔ عمران نے پوچھا۔

ہاں۔ اور اس نے من و عن وہی کہانی دہرائی تھی جو اجنبی عورت بڑے عابد کو سنا چکی تھی۔

کیا شہباز اس اجنبی عورت کی قومیت کا اندازہ لگا سکا تھا؟۔

میں نے تو اسے دیکھا نہیں تھا کیونکہ تجدید عہد کی رسم کے موقعے پر زیارت گاہ میں صرف مختلف بستیوں کے سردار ہی ہوتے ہیں شہباز کا خیال تھا کہ وہ سیاہ بالوں اور نیلی آنکھوں والی فرنگن تھی۔

اور تمہاری زبان ایسی ہی روانی سے بول سکتی ہوگی کہ خود کو ایک شکرالی عورت کے روپ میں پیش کر سکے؟۔

شہباز کے خیال کے مطابق لہجے میں کسی قدر کچا پن تھا۔

یہ عورتیں۔ ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیں گی۔ عمران بڑبڑایا۔

انہیں تم جیسا چاہو بنادو۔ ہماری عورتوں میں تو اس کی صلاحیت نہیں ہے۔

جتنا میدان انہیں نصیب ہے اس میں وہ کسی سے پیچھے نہ ہونگی۔

کیا تم اب تک عورتوں کے بارے میں اپنی رائے بدل نہیں سکے؟۔

میں سرے سے کوئی رائے ہی نہیں رکھتا اور کیوں رکھوں جب کہ عورت میرے نصیب میں ہی نہیں ہے۔

آہا کیا تم نے ابھی تک کوئی شادی نہیں کی۔

کوئی ایسی عورت نہیں ملی جو بصد خلوص اپنے پاگل ہونے کا اعتراف کرلیتی۔

اگر تم کسی پاگل عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو تو تلاش کردوں گا۔ داراب نے سنجیدگی سے کہا۔

کوشش کرو۔

شکرال کے دانشمند مرد بھی پاگل ہی عورتوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

واقعی دانشمند معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں کا مسلہ الٹا ہے۔

وہ کس طرح؟۔

ہماری پاگل عورتوں کو دانشمند کی تلاش رہتی ہے۔

وہ ان غاروں کے قریب پہنچ چکے تھے جن کا ذکر داراب نے کیا تھا۔

کیا تم اس مخصوص غار کی نشاندہی کرسکو گے جس کے قریب وہ غائب ہوئی تھی؟۔ عمران نے پوچھا۔

یہ بتانا تو مشکل ہے۔ میں سردار شہباز کے ساتھ نہیں تھا۔

اور اس نے واضح طور پر نشاندہی بھی نہیں کی تھی؟۔

نہیں۔

آو پھر تو کہیں سے بھی شروع کردیں۔ اندازاً کتنے غار ہوں گے؟۔

سترہ۔

اور کتنے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں؟۔

دو ڈھائی میل میں سمجھ لو۔

مشکل کام ہے۔۔۔۔ خیر آو۔

غاروں میں انہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس لیے اب وہ شکرال کی وسطی آبادی کی طرف جارہے تھے۔ جہاں سردار شہباز کی حکومت تھی۔

ہم رحبان کی طرف کیوں نہ چلیں؟۔ داراب بولا۔

کہیں جانے سے پہلے میں اپنا لباس تبدیل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ویسے ایک بات بتاو؟۔

پوچھو؟۔

تمہارے ان آٹھ آدمیوں کے علاوہ کوئی اور تو یہاں میری موجودگی سے واقف نہیں ہے؟۔

میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بستی کے دونوں قاصد ہماری بستی کے کچھ

لوگوں سے بھی ملے ہوں۔

خیر اب کوئی میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ خبر غلط تھی۔۔۔ وہ صف شکن نہیں تھا۔ کسی نے بستی والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی جو تمہارے پہنچنے پر مار ڈالا گیا۔

اور تم ہمارے ساتھ ہوگے؟۔ داراب نے حیرت سے پوچھا۔ ظاہر ہے۔

ہماری بستی کے سارے افراد تمہیں پہچانتے ہیں۔

عمرنا نے جیب سے ریڈی میڈ میک اپ نکالا اور ناک پرفٹ کرلیا یہ کچھ اس طرح ہوا کہ داراب نہ دیکھ سکا۔

مجھے تو تم بھی نہیں پہچان سکتے۔ بستی کے دوسرے افراد تو دور کی چیز ہیں۔

کیسی باتیں کر رہے ہو۔ داراب نے جھنجھلا کر کہا۔ ساتھ ہی اس کی نظر بھی عمران کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کک۔۔۔۔ کیا ہوگیا؟۔ وہ بالآخر ہکلایا۔

یہی ہوتا رہتا ہے میرے ساتھ۔ فی الحال یہیں رک کر اپنے لڑاکوں کے ذہن نشین کرادو۔

اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔

وہ رک گئے۔ داراب کے سبھی ساتھی عمران کو عجیب نظروں سے دیکھے جارہے تھے۔ پھر جب انہیں رکنے کی وجہ بتائی گئی تو دل کھول کر ہنسنے لگے تھے۔

اس طرح یہ طے پایا کہ صف شکن کی اصلیت کسی پر ظاہر نہ کی جائے گی اور وہ دوسروں کو عمران

ہی کی کہی بات بتائیں گے۔

داراب کی قیام گاہ پر پہنچ کر عمران لباس تبدیل نہیں کر پایا تھا کہ کسی نے حجرے کے دروازے پر دستک دی۔

کون ہے؟۔ اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

داراب۔ باہر سے آواز آئی۔ نئی خبر ہے۔ ذرا جلدی کرو۔

اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ ذرا ٹھہرو۔

اس نے تیزی سے لباس تبدیل کر کے دروازہ کھول دیا تھا۔

داراب سامنے کھڑا نظر آیا۔ اور اس کے چہرے پر وحشت طاری تھی۔ پچھلی رات۔ ہماری عدم موجودگی میں یہاں بھی وہی ہوا ہے۔ وہ بولا۔

کیا ہوا ہے؟۔

سردار شہباز کا ایک لڑاکا واپس آکر حجرہ نشین ہوگیا ہے۔ کسی نے اسے آتے نہیں دیکھا۔ گھر والوں کو آج صبح معلوم ہوا کہ وہ گھر ہی میں موجود ہے اور رحبانی لڑاکوں کی طرح حجرہ نشین ہو گیا ہے۔ کسی کو شکل دکھانے پر تیار نہیں، کہتا ہے کہ اگر زبردستی کی گئی تو کسی کو مار ڈالے گا یا خودکشی کرلے گا۔

مجھے اس کے گھر لے چلو؟۔

میں یہی کہنے والا تھا۔

اس لڑاکے کا گھر دور نہیں تھا۔ راستے میں عمران نے پوچھا۔

دوسروں کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟۔

بس اتنا ہی کہ وہ اسے چھوڑ بھاگے۔

شہباز سمیت؟۔ عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

کیوں چھوڑ بھاگے۔ یہ نہیں بتایا۔ داراب بولا۔

عمران بدستور ریڈی میڈ میک اپ میں تھا اور اس کے جسم پر شکرالیوں جیسا لباس بھی تھا۔

اس لڑاکے کا نام کیا ہے؟۔ عمران نے داراب سے پوچھا۔

طربدار۔۔۔ شہباز کا بہترین لڑاکا ہے۔

شادی شدہ ہے۔

نہیں۔۔۔ بوڑھے والدین کے ساتھ رہتا ہے۔

وہ اس کے گھر پہنچے تھے۔ صدر دروازے کے سامنے خاصہ مجمع تھا۔ داراب کو دیکھ کر انہوں نے اسے آگے بڑھنے کے لیے راستہ دیا۔ پھر وہ اس حجرے تک جا پہنچے جہاں طربدار نے خود کو بند کر رکھا تھا ایک پاٹ کا دروازہ تھا جس میں کوئی جھری بھی نہیں تھی کہ جھانک کر اندر کا جائزہ لیا جا سکتا۔

اوطربدار۔ میں داراب ہوں۔ دروازہ کھول دو۔ داراب نے اونچی آواز میں کہا۔

جاو۔۔۔۔ بھاگ جاو۔۔۔۔ دروازہ نہیں کھلے گا۔ اندر سے آواز آئی۔

نہ کھول دروازہ۔ لیکن میرے بھائی کی خیریت بتا دے؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔ بھاگ جاو۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتا۔

کیا تو ہوش میں نہیں ہے؟۔

میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

کیوں بکواس کرتا ہے۔ شہباز تھا تیرے ساتھ۔۔۔ جیالوں کا جیالا وہ تو موت کے فرشتے کے آگے بھی ڈٹ جائیگا۔

بھگوڑے کے بھائی بھاگ جا۔ طربدار اندر سے حلق کے بل چیخا تھا۔

او۔ خنزیر کیوں شامت آئی ہے۔ داراب آپے سے باہر ہو گیا۔

طربدار کا بوڑھا باپ جو قریب ہی کھڑا تھا گڑگڑانے لگا۔

وہ پاگل ہو گیا ہے۔۔۔ اس پر رحم کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ سردار شہباز کے جان نثاروں میں سب سے آگے تھا؟۔

تو پھر بتاتا کیوں نہیں جو کچھ پوچھ رہا ہوں؟۔

تم خاموش رہو۔ عمران نے داراب سے کہا اور بوڑھے سے بولا۔

رحبان کے گیارہ آدمی بیک وقت پاگل ہو گئے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا؟۔

ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ سنا ہے بھائی۔

تو پھر ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیوں پاگل ہو گئے ہیں۔ تا کہ بچ بچاو کی کچھ سوچیں۔ ورنہ

پوری بستیاں اسی طرح پاگل ہوسکتی ہیں۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ بوڑھا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھتا ہوا بولا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر عمران اونچی آواز میں بولا۔

او۔ طربدار۔ میں تیرے لیے ایک پری زاد کا رشتہ لایا ہوں۔

بھاگ جاو۔۔۔۔ ولدالحرام۔۔۔۔ میرا مضحکہ مت اڑاو۔ تم کون ہو؟۔ اندر سے آواز آئی۔

میں کون ہوں۔۔۔۔ یہ تم پوچھ رہے ہو۔ پیارے پچھلے سال میں نے سرخسان میں تمہارا قرض ادا کر کے تمہاری جان چھڑائی تھی ورنہ وہ نقال تمہیں الٹا لٹکا دیتا۔

او۔ جھوٹے تو کون ہے۔ میں تین سال سے سرخسان نہیں گیا۔

کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ عمران نے آہستہ سے بوڑھے کو مخاطب کیا۔

ہاں۔ یہ تین سال سے سرخسان نہیں گیا۔

اور تم اسے پاگل کہہ رہے ہو؟۔ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ اس نے پورے ہوش وحواس کے ساتھ سردار شہباز کی توہین کی ہے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

ہم دروازہ توڑ دیں گے۔ عمران دہاڑا۔

تمہارے سینے چھلنی ہوجائیں گے۔ تفنچہ میرے ہاتھ میں ہے۔ پوری چھ گولیاں اس میں موجود ہیں۔ اس نے اندر سے کہا۔

داراب جھلا کر دروازے میں ٹکر مارنے کے لیے پیچھے ہٹا ہی تھا کہ عمران اسے روکتا ہوا بولا۔

ٹھہر جاو، وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کر گزرے گا۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ شہباز کو بھگوڑا کہہ رہا ہے۔ داراب دانت پیس کر بولا۔

سنو، اگر تم نے مجھے اس معاملے میں ڈالا ہے تو وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔

داراب جہاں تھا وہیں رک گیا۔ عمران چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ یہاں سے بھیڑ ہٹا دو۔

دو تین منٹ کے اندر اندر وہاں سناٹا چھا گیا۔ صرف طربدار کے والدین اور یہ دونوں رہ گئے تھے۔

دفعتاً عمران نے اونچی آواز میں کہا۔ اچھا طربدار۔۔۔۔ ہم جا رہے ہیں۔ تین گھنٹے کی مہلت سمجھ لو۔ اس کے بعد تمہیں ہر حال میں باہر نکل کر جوابدہی کرنی پڑے گی۔

رب عظیم کے لیے میرا پیچھا چھوڑو۔ اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی تھی۔

ہم جا رہے ہیں۔ لیکن مہلت صرف تین گھنٹے کی ہے۔ عمران نے کہا۔ لیکن اس کا جواب سننے کے لیے وہاں رکا نہیں تھا۔ باہر نکل کر اس نے داراب سے کہا۔ چھت میں بہ آسانی اتنا سوراخ کر سکوں گا کہ اسے ایک نظر دیکھ لوں۔

میں نہیں سمجھا۔ داراب نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

آخر وہ سامنے کیوں نہیں آنا چاہتا؟۔

سمجھ میں نہیں آتا۔

تو پھر دیکھیں گے۔ بوڑھے سے مشورہ کرو۔

وہ کبھی آمادہ نہ ہوگا۔ اسے یقین ہے کہ طربدار گولیاں برسانا شروع کر دے گا۔ ورنہ وہ خود ہی دروازہ تڑوا دیتا۔

تمہیں بھی یقین ہے کہ وہ فائر شروع کر دے گا؟۔

مجھے یقین ہے۔ اس کا لہجہ پہچانتا ہوں۔

تو تو چھت میں کیا جانے والا سوراخ بھی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اچھی بات ہے۔ واپس چلو کچھ اور سوچیں گے۔

وہ بدبخت تو یہ بھی بتانے پر تیار نہیں کہ سردار شہباز کا ساتھ کہاں سے چھوٹا تھا۔

وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی، طوفانی رفتار سے دوڑنے والے گھوڑے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

عمران اور داراب رک گئے۔ آبادی کی وسطی شاہراہ تھی۔

جلد ہی چھ سوار سامنے آ گئے تھے۔ سب سے آگے شہباز تھا۔

داراب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہلائے تھے۔

میرے بارے میں فی الحال خاموش ہی رہنا۔ عمران آہستہ سے بولا۔

کیا وہ واپس آ گیا ہے۔۔۔۔ طربدار؟۔ شہباز نے قریب پہنچ کر گھوڑا روکتے ہوئے پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔ اور وہ حجرہ نشین ہوگیا ہے۔ کہتا ہے دروازہ توڑا گیا تو گولیاں برسانا شروع کر دوں گا۔

اسے مت چھیڑو۔ ہر ایک سے کہہ دو کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔ رب عظیم کی یہی مرضی ہے۔ شہباز مغموم لہجے میں بولا تھا۔

داراب نے اسے حیرت سے دیکھا شہباز کے پانچوں لڑاکے بھی گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ ان کے چہرے ستے ہوئے تھے اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر اچانک بیدار ہوگئے ہو۔

شہباز گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اپنے گھر کی طرف مڑ گیا۔ اس نے عمران کی طرف توجہ نہیں دے تھی اور داراب شہباز کے ساتھ چل رہا تھا۔

وہ تمہیں برا بھلا اور بھگوڑا کہہ رہا تھا۔ داراب بولا۔

ضرور کہہ رہا ہوگا۔ شہباز بولا اور چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور وہ شہباز کو اس طرح دیکھے جا رہا تھا جیسے اچانک اس کے دم نکل آئی ہو۔

چلتے رہو۔ شہباز بولا۔ سچی باتوں پر مجھے غصہ نہیں آتا۔

تو تم واقعی اسے چھوڑ بھاگے تھے؟۔

ہاں۔۔۔۔ یہ حقیقت ہے۔

رب عظیم رحم فرمائے۔ داراب کا لہجہ خشک تھا۔

گھر پہنچ کر شہباز نے لڑاکوں سے کہا تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو جائیں اور طربدار کے سلسلے میں زبان بند رکھیں۔

پھر اچانک اس کی نظر عمران پر پڑی تھی۔

یہ کون ہے؟۔ اس نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

مہمان۔

کیا تم سے اچھی طرح جانتے ہو؟۔

بالکل اچھی طرح۔

میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟۔

تم اندر چلو۔

شہباز کی آنکھوں میں اشتباہ کی جھلکیاں تھیں۔ عمران سر جھکائے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔

ایک بڑے کمرے میں پہنچ کر شہباز عمران کی طرف مڑا اور داراب سے بولا۔ اب بتاو یہ کون ہے؟۔

رب عظیم نے اسے بھیجا ہے۔ داراب نے طویل سانس لے کر کہا۔

داراب۔ شہباز سخت لہجے میں بولا۔ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے میں بہت پریشان ہوں۔

تم کیوں پریشان ہو سردار؟۔ اس بار عمران بولا تھا۔

شہباز چونک کر اسے نئے سرے سے گھورنے لگا تھا۔ پھر بڑبڑایا تھا۔ آواز تو کچھ جانی پہچانی سی

لگتی ہے۔

عمران نے ریڈی میڈ میک اپ ناک سے ہٹا دیا۔

صف شکن، شہباز اچھل پڑا۔ پھر اس بری طرح عمران سے چمٹا تھا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔

واقعی رب عظیم نے تجھے بھیجا ہے۔ میرے بھائی۔ میرے دوست۔ میرے پیارے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ اب میں بہت خوش ہوں۔ اب مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں ہے۔ سن رہا ہے داراب۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ رب عظیم ہم پر بلائیں نازل کرتا ہے۔ تو صف شکن کو بھی بھیج دیتا ہے۔

اپنی سانس درست کرو۔ عمران بولا۔ خود کو سنبھالوں باتیں بعد میں ہوں گی۔

ضرور۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔۔ مگر تم کب آئے؟۔

بس آ گیا۔ تمہاری پریشانی کھینچ لائی۔

کیا تم جانتے ہو؟۔

کسی حد تک۔ داراب سے ملاقات کے بعد ہی کچھ معلوم ہوا ہے۔ یہاں میری آمد لاعلمی میں ہوئی تھی۔

کچھ بھی ہو۔ اب مجھے یقین ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

شہباز کی عجیب حالت تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد عمران سے لپٹ جاتا۔

دیکھو دوست۔ کہیں اب مجھے شرم نہ آنے لگیں۔ عمران نے سچ مچ شرمیلے لہجے میں کہا اور شہباز

اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ بالکل نہیں بدلے ہو؟۔

اب تمہارے حالت پہلے سے بہتر ہے۔ لہذا کہانی سنی جا سکتی ہے۔ داراب سے داستان کا ابتدائی حصہ سن چکا ہوں۔

میں رحبان تک پہنچ ہی نہیں سکا تھا۔ شہباز پر تفکر لہجے میں بولا۔

میں نے اس عورت کی تلاش سے ابتدا کی تھی۔ سارے غار دیکھ ڈالے اسی دوران میں وادی زلمیر کا ایک نیا راستہ بھی دریافت کر لیا۔ وہ خاموش ہو کر داراب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسی سے بولا۔ ان غاروں میں سے ایک میں وہ راستہ پوشیدہ ہے لیکن میں اسے اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

کیا تمہارے لڑاکے اس سے واقف نہیں ہو سکے۔ داراب نے پوچھا۔

نہیں میں نے انہیں بھی نہیں بتایا۔ عام راستے سے انہیں وادی زلمیر میں لے گیا تھا۔

وادی زلمیر میں کیوں لے گئے تھے۔ داراب نے سوال کیا۔

اسی عورت کی تلاش میں۔ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے کہ وہ عورت اسی پوشیدہ راستے سے گلترنگ تک پہنچی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وادی زلمیر ہی سے آئی تھی۔

یہ وادی زلمیر کہاں ہے؟۔ عمران نے پوچھا۔

گلترنگ کے آگے۔ بڑی خوبصورت وادی ہے صف شکن۔

تو پھر تم اس عورت کی تلاش میں وادی زلمیر گئے تھے۔

لیکن وہاں بھی اس کا سراغ نہ مل سکا۔ ویسے مجھے یہ نہ کہنا چاہئے کہ اس کا سراغ نہیں مل سکا۔

کہہ بھی رہے ہو اور نہیں بھی۔

وادی کے ایک ہی حصے تک تلاش محدود رہی تھی۔

آگے کیوں نہیں بڑھے؟۔

وہی بتانے جا رہا ہوں۔

نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے رحبان جا کر اس کے بیان کی تصدیق کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟۔ عمران بولا۔

اگر وادی زلمیر کا وہ پوشیدہ راستہ اتفاقاً دریافت نہ ہو گیا ہوتا تو رحبان ہی جاتا۔ میں نے سوچا کہ پہلے اس عورت ہی کو تلاش کیا جائے جو شہداد کی بیوی نہیں تھی۔

میں نے تصدیق کر لی ہے۔ داراب نے اب شہباز سے کہا۔ وہ لوگ طربدار ہی کی طرح حجرہ نشین ہو گئے ہیں۔

ضرور ہو گئے ہوں گے۔ اگر مجھ پر بھی وہی گزرتی تو میں بھی کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا۔ اب تم خاموش رہ کر یہ کہانی سنو۔۔۔۔ ہاں تو تم نے وادی زلمیر میں ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ ہم ایک ایک کر کے الگ الگ راستوں پر ہو لیتے اور اسے تلاش کرتے رہتے اور شام ہوتے ہی ڈیرے پر واپس آ جاتے۔ ایک شام طربدار واپس آیا تو بخار میں بھن رہا تھا۔ ساری رات اسے بخار رہا اور دوسری صبح اچانک وہ چیخنے لگا۔ ہم سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اس کا جسم

اینٹھ رہا تھا۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ کیا بتاؤں۔ اس کے جسم کے سارے رونگھٹے حیرت انگیز طور پر بڑھ رہے تھے ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ آدمی سے بن مانس بن گیا ایک ایک بالشت لمبے بال۔ اور آنکھوں کو چھوڑ کر پورا چہرہ بھی بالوں سے ڈھک گیا اور تشنجی کیفیت کے دوران میں کپڑے تو اس نے پہلے ہی اتار ڈالے تھے۔ بالکل برہنہ ہو گیا تھا۔ صف شکن، مجھے اس طرح نہ دیکھو۔ ہم شکرالی پہاڑوں سے ٹکرا جائیں گے۔ لیکن آسمانی بلاؤں سے بہت ڈرتے ہیں۔ میری جگہ اگر وہ خود ہوتا تو خود بھی مجھے اسی حال میں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔

تو اس لیے وہ تمہیں بھگوڑا کہہ رہا تھا۔ عمران بولا۔

ہاں۔۔۔۔ ہم میں سے کوئی وہاں نہیں رکا تھا۔ ہم اسے چھوڑ بھاگ ے تھے۔ رب عظیم ہی جانے کہ وہ سب کچھ اچانک کس طرح ہو گیا تھا۔ میں اس کی اطلاع بڑے عابد کو دے آیا ہوں۔

اس نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ اس دن وادی میں کس طرف گیا تھا؟۔

جب وہ واپس آیا تھا۔ تو بخار کی شدت کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اور بعد کے حالات۔ کیا بتاؤں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔

عمران کچھ نہ بولا۔

وہ کچھ بتانے پر تیار ہی نہیں۔ داراب نے کہا۔

کیا رحبان کے گیارہ آدمی بھی اپنے سفر کے دوران میں وادی زلمیر سے گزرے ہوں گے؟۔

عمران نے سوال کیا۔

یقیناً گزرے ہوں گے۔ ہم وادی زلمیر ہی سے گزر کر زرد ریگستان میں داخل ہوئے ہیں۔ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

تین گھنٹے بعد عمران داراب سمیت پھر طربدار کے گھر جا دھمکا تھا۔ اس سے قبل شہباز کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنے گھر ہی تک محدود رہے۔ اور ان لڑاکوں کی زبان بند کر دے جو طربدار کے احوال سے واقف تھے۔

آخر تم کیا کرو گے؟۔ داراب بولا۔

بس دیکھتے جاؤ۔

طربدار کا بوڑھا باپ بہت پریشان تھا اور اس بار اس نے عمران کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اس نے اپنی اسکیم یکسر بدل دی تھی اب میک اپ میں نہیں تھا۔

تت۔۔۔۔ تم۔ بوڑھا ہکلایا۔

ہاں۔ میں صف شکن ہوں۔ تم مجھ بھولے نہ ہو گے۔

رب عظیم کی قسم تمہیں تو کوئی دوغلا کتا ہی بھلا سکے گا۔ تم ہمارے محسن ہو۔

اچھا آؤ۔۔۔۔ میرے ساتھ۔ اب میں کوشش کروں گا طربدار راہ راست پر آ جائے مجھے معلوم ہے کہ وہ کیوں حجرہ نشین ہوا ہے۔

تم جانتے ہو؟۔

ہاں اور میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اس وبا کو شکرال میں نہیں پھیلنے دوں گا۔ تم نے رحبان کے گیارہ آدمیوں کے بارے میں سنا ہی ہوگا؟۔

اسی لیے تو مجھے زیادہ تشویش ہے۔

فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔

وہ تینوں حجرے کے دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ طربدار نے اندر سے چیخنا شروع کر دیا۔ بھاگ جاو۔ چلے جاو۔ ورنہ گولی ماردوں گا۔

بدبخت۔ تو جانتا ہے کہ کون آیا ہے۔ بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

سب جانتا ہوں۔ وہی بھگوڑا ہوگا۔

میں صف شکن ہوں طربدار۔ عمران نے اونچی آواز میں کہا۔

کک۔۔۔ کون صف شکن؟۔

کیا تم کسی دوسرے صف شکن سے بھی واقف ہو؟۔

اندر خاموشی ہی رہی اور عمران کہتا رہا۔ فرنگیوں سے تمہیں کس نے نجات دلائی۔ اب پھر شکرال کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ رب عظیم کا نام اونچا رہے۔ اندر سے سسکیاں اور ہچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ شاید طربدار رو پڑا تھا۔

اگر شہباز تمہاری جگہ ہوتا اور تم شہباز کی جگہ ہوتے تو صورت حال کیا ہوتی۔ اس پر بھی غور کرو۔ آدمی توپ کے دہانے میں سر دے سکتا ہے لیکن آسمانی بلاوں کے سامنے تو کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

لیکن اب میرا کیا ہوگا۔ شاید وہ واپس آگیا ہے اور اس نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اندر سے گلوگیر سی آواز آئی۔

مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تمہارے ساتھیوں اور شہباز کو تاکید کردی ہے کہ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں کیا اب تم صرف مجھے اندر آنے دو گے؟۔

اور کون ہے دروازے کے قریب؟۔

داراب اور تمہارا باپ۔

انہیں یہاں سے ہٹادو۔ میں تمہیں اندر آنے دوں گا۔

شکریہ طربدار۔

کہیں یہ بلا تمہیں بھی نہ چمٹ جائے۔

تم اس کی فکر نہ کرو۔ میرے بازو پر نقش سلیمانی بندھا ہوا ہے۔

پھر سوچ لو۔

اگر بلا چمٹ بھی گئی تو مجھے تم سے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔

اچھی بات ہے۔ دوسروں کو ہٹاو۔

عمران نے ان دونوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی تھی۔

اب دروازہ کھول دو۔

آ جاو۔ آواز آئی اور تھوڑا سا دروازہ کھلا۔ عمران نے اندر داخل ہو کر دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔

سامنے جو شے نظر آئی وہ کسی ریچھ سے بھی زیادہ گھنے بالوں والی مخلوق تھی۔ سارے جسم پر بال ہی بال تھے صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ سرخ سرخ خوفناک آنکھیں۔

دیکھو۔۔۔۔ مجھے دیکھو۔ وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

میں دیکھ رہا ہوں۔ عمران نے کہا۔ ویسے اس کے سارے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

کیا میں اس قابل رہ گیا ہوں کہ کسی کے سامنے آ سکوں؟۔

ہرگز نہیں۔ لیکن ذہنی طور پر تم ٹھیک ہو۔

یہ درست ہیں۔ سب کچھ سوچ سکتا ہوں لیکن اب میرا کیا ہو گا؟۔

تم پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاو گے لیکن اس کے لیے تمہیں مجھ سے پورا پورا تعاون کرنا پڑے گا۔

جو کچھ بھی کہو اس کے لیے تیار ہوں۔

پہلے میں اس کی وجہ معلوم کروں گا۔ پھر تمہارا علاج بھی ہو جائے گا۔

وہ کس طرح معلوم کرو گے۔ جبکہ خود مجھے بھی نہیں معلوم؟۔

بخار تمہیں کس طرح ہوا تھا اور وادی میں کس جگہ ہوا تھا؟۔

جگہ کا نام مجھے نہیں معلوم۔ گھنا جنگل ہے۔ وہاں آبادی تو ہے نہیں کہ جگہوں کے نام رکھے جائے۔

ٹھیک ہے، عمران نے کہا۔ بہرحال بخار ہونے سے قبل تم نے کیا محسوس کیا تھا۔

شائد میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

وہ کس طرح؟۔

ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر آرام کرنے لگا تھا کہ اچانک مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ میں اپنے ذہن سے لڑتا رہا۔ لیکن خود پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں نے بخار محسوس کیا تھا اور میرا داہنا بازو درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ پھر کس طرح ڈیرے پر پہنچا تھا۔

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ کیا تم نے بے ہوش ہونے سے قبل اپنے آس پاس کسی کو دیکھا تھا؟۔

کسی کو بھی نہیں۔

کسی قسم کی بو محسوس کی تھی؟۔

بو۔۔۔۔ بو۔۔۔۔۔ ہاں شائد۔۔۔۔۔ ٹھہرو مجھے سوچنے دو۔

وہ خاموش ہو گیا پھر دیر بعد بولا۔ ہاں شائد۔۔۔۔ یاد آ گیا۔ میں نے عجیب قسم کی میٹھی میٹھی سی

بو محسوس کی تھی اور اندازہ لگانے کے لیے کہ وہ کس چیز کی بو ہو سکتی ہے۔ گہری گہری سانسیں بھی لی تھیں۔ اور پھر خود پر قابو پانے کی کوشش کے باوجود بھی بیہوش ہو گیا تھا۔

میں سمجھ گیا۔

کیا سمجھ گئے؟۔

تمہارا علاج ہو جائے گا۔ بس جس طرح آئے تھے آج رات کو میرے ساتھ چپ چاپ نکل چلو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔

کہاں؟۔

وہیں۔ جہاں تم بیہوش ہوتے۔

نہیں صف شکن میں اب وہاں جانے کی جرات نہیں کرسکتا۔

فکر نہ کرو۔ اب کے تمہارے سر پر سینگ نہیں نکلیں گے۔ شہباز بھی ہوگا ہمارے ساتھ۔

میرے دل میں اس کے لیے کدورت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

دیکھو وہ مجبور تھا، تم بھی آسمانی بلاؤں سے ڈرتے ہو۔

کیا تم نہیں ڈرتے؟۔

کیونکہ میں خود ایک آسمانی بلا ہوں میرے والدین یہی سمجھتے ہیں۔ لہذا میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

تم آؤ گے رات کو؟۔

ضرور آؤں گا۔

اصطبل میں چلے آنا وہیں آؤں گا۔

ایک بار پھر یقین دلا دوں کہ ہم ایسے ہی اوقات میں سفر کریں گے جب کسی کی نظر تم پر پڑنے کا امکان نہ ہو گا۔

تم قول کے پکے ہو۔ میں جانتا ہوں کسی نہ کسی طرح میرے باپ کو بھی سمجھانے کی کوشش کرنا کہ دروازہ کھولنے کی ضد نہ کرے۔

میں دیکھوں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔

وہ باہر نکلا تھا اور طربدار نے دوبارہ دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی تھی۔

عمران کو دیکھ کر بوڑھا اس کی طرف دوڑا تھا۔ اور عمران ہاتھ اٹھا کر بولا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے وہم کی بیماری ہو گئی ہے۔ ویسے بالکل ٹھیک ٹھاک ہے کہتا ہے میں شیشے کا ہو گیا ہوں مجھے ہاتھ نہ لگانا باہر نہیں نکلوں گا۔ اگر کسی بچے نے پتھر مار دیا تو ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا۔

رب عظیم رحم فرمائے۔۔۔۔ بوڑھا کراہا۔

بس تم اسے چھیڑو مت۔ اسی طرح بند رہنے دو میں اس کا علاج کر دوں گا۔

داراب خاموش تھا۔ گھر کی طرف واپسی پر اس نے پوچھا۔

تم نے کیا دیکھا؟۔

وہی جو شہباز کی زبانی پہلے ہی سن چلا تھا۔

پھر داراب خاموش ہو گیا۔ اس بار وہ عمران کے ساتھ شہباز کے پاس نہیں گیا تھا۔ عمران نے شہباز کو بتایا کہ اس نے کس طرح طربدار کو قریب سے دیکھا تھا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟۔ شہباز بڑبڑایا۔

جو کچھ بھی ہو یہ کوئی آسمانی بلا نہیں ہے۔

پھر کیا ہے؟۔

کیا تمہیں غاروں کا وہ بھکاری یاد نہیں جس کی بددعاوں سے لوگ اپنے بستروں پر مر جایا کرتے تھے۔ تم نے اسے آسمانی موت سمجھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے تمہیں بھی بددعا دی تھی۔ لیکن تم اس رات بستر پر نہیں سوئے بلکہ رات بستر کے بجائے گھوڑے کی پشت پر گزاری تھی اور تم نہیں مرے تھے۔

وہ اور بات تھی صف شکن، انہیں چپکے سے زہر دیا جاتا تھا اور وہ سوتے میں مر جاتے تھے۔ لیکن ۔۔۔ لیکن اسے تو میں نے خود دیکھا ہے اس کا جسم اینٹھ رہا تھا اور بال بڑھ رہے تھے آس پاس کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا جس پر شبہ کیا جاسکتا کہ اس نے کچھ کر دیا ہے

تسلیم، لیکن پھر وہ عورت کیا چاہتی تھی۔ اس نے خود کو شہداد کی بیوی ظاہر کر کے رحبان کے گیارہ آدمیوں کا راز افشا کرنے کی کوشش کیوں کی؟۔

بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔

اچھا تو پھر سمجھنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دو۔ اور جو کچھ میں کہوں کرتے رہو۔

کہو۔ کیا کہتے ہو؟۔

میں نے طربدار کو اپنے ساتھ چلنے پر رضامند کر لیا ہے۔

کہاں چلنے پر رضامند کر لیا ہے؟۔

وہیں، جہاں وہ بیہوش ہوا تھا۔

اچھا تو پھر؟۔

تم بھی چلو گے۔ ہم یہاں سے رات کو روانہ ہوں گے۔ اس طرح کہ طربدار کو بستی کا کوئی آدمی نہ دیکھ سکے۔ رات ہی رات ہم گلترنگ پہنچیں گے اور تم غاروں والا وہی پوشیدہ راستہ اختیار کرو گے جو تم نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔

وہ تو میں کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتا۔

تو پھر ہمیں شائد لمبا سفر کرنا پڑے۔ اور کسی نہ کسی کی نظر طربدار پر پڑ ہی جائے۔

آخر وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟۔ شہباز بولا۔

ان لوگوں سے نپٹیں گے جو ان حرکتوں کے ذمہ دار ہیں۔

شہباز نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ صف شکن ہوا سے لڑے گا۔

یقین کرو کہ اس فتنے کے پیچھے ایک انسانی ذہن ہے۔

آخر کیوں؟۔

کوئی ان شکرالیوں میں ہراس پھیلانا چاہتا ہے جو وادی زلمیر سے گزرتے رہتے ہیں۔

یقین نہیں آتا۔

اگر اس اجنبی عورت کا معاملہ سامنے نہ ہوتا تو مجھے بھی مشکل ہی سے یقین آتا۔

شہباز کچھ نہ بولا۔

اب بتاؤ۔ اس راستے کے بارے میں کیا خیال ہے اور پھر آخر تم اسے دوسروں سے چھپانا کیوں چاہتے ہو؟

بس یونہی۔۔۔۔۔ دوسرے ہونے والے سردار کو چپکے سے بتا جاؤں گا۔ اور یہ وسطی آبادی کے سرداروں کا راز بن جائے گا۔

اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

صف شکن بحث نہ کرو، اچھی بات ہے ہم وہی راستہ اختیار کریں گے۔ لیکن اگر میں اور تم بھی طربدار ہی کی طرح ہوگئے تو کیا ہوگا؟

بستی کے لوگ دوسرا سردار منتخب کرلیں گے اور میرے باپ کو بے حد خوشی ہوگی کیونکہ اس نے مجھے آج تک آدمی نہیں سمجھا اب تک مارنے کو دوڑتا رہتا ہے۔

تم نہیں مانو گے۔

ہرگز نہیں۔ میں وادی زلمیر کا سفر ضرور کروں گا۔

اچھی بات ہے وہی ہوگا جو تم کہہ رہے ہو۔ کیا آج ہی رات کو روانگی ہوگی؟

پہلے یہی سوچتا تھا۔ عمران پر تفکر لہجے میں بولا۔ لیکن اب اسکیم میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑے گی۔ تم یہیں میرے منتظر رہو۔ میں ذرا طربدار کو مطلع کر آؤں کہ آج رات میرا انتظار نہ کرے۔

اور پھر عمران کی مصروفیت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس نے شہباز سے بڑے بڑے بالوں والی کچھ کھالیں طلب کی تھیں اور مکان کے ایک ایسے گوشے میں کام ہو رہا تھا جہاں شہباز کے علاوہ اور کوئی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

آخر یہ تم کیا کر رہے ہو؟ شہباز نے پوچھا۔

میں چاہتا ہوں کہ جب ہم سفر پر روانہ ہوں تو ہم میں اور طربدار میں کوئی فرق نہ رہے۔

یعنی کہ۔۔۔۔۔؟

ہاں۔ سیاہ رنگ کی بڑے بالوں والی کھالیں ہمارے کام آئیں گی۔ میں بن مانس نہیں بن سکتا۔

خوش ہو جاؤ گے۔ اس طرح منڈھوں گا یہ کھالیں تمہارے جسم پر تم میں اور طربدار میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

میں خوش ہو جاؤں گا؟ شہباز آنکھیں نکال کر بولا۔

نہ بخار، نہ جسم میں اینٹھن، مفت میں بن بیٹھے بن مانس۔ کیا یہ خوشی کی بات نہ ہوگی؟

تم کرنا کیا چاہتے ہو؟

صرف اتنی سی تدبیر کہ۔۔۔ ہم سچ مچ بن مانس نہ بن جائیں۔

میں نہیں سمجھا؟۔

اگر ہم آدمیوں کی شکل میں وہاں گئے تو سچ مچ بن مانس ہی بننا پڑے گا۔ صاف صاف کہو؟۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ نہ یہ کوئی بیماری ہے اور نہ آسمانی بلا۔۔۔ طربدار کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے اسے بیہوش کیا گیا پھر بازو میں کسی قسم کا انجکشن لگایا گیا تھا۔

تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسی انجکشن کے اثر سے وہ بن مانس بن گیا؟۔

ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو رحبان جا کر گیارہ آدمیوں سے تصدیق کرلو وہی کہانی سنائیں گے جو طربدار سنا چکا ہے۔

شہباز کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

عمران اپنا کام کرتا رہا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد شہباز کے جسم کے مختلف حصوں کی ناپ بھی لیتا جا رہا تھا۔

تو پھر میں جاوں رحبان؟۔ شہباز نے بڑے سوچ وبچار کے بعد سوال کیا۔

کیوں خواہ مخواہ خود کو تھکاو گے۔ اور ویسے بھی اب انہیں نہ چھیڑو۔

تم کبھی کچھ کہتے ہو کبھی کچھ؟۔

وہ تو میں نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن اسے غلط نہ سمجھو۔ انہیں بھی ویسے ہی حالات سے گزرنا پڑا ہوگا جن سے طربدار گزرا تھا۔ شہباز کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے لیے وادی زلمیر میں داخلے پر پابندی لگادی جائے۔

یہ شکرال کے باشندوں کی بنیادی حقوق کا معاملہ ہے اس میں بڑے عابد کے علاوہ کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا۔

تو بڑے عابد سے حکم جاری کرادو۔

میں کوشش کروں گا۔

آج ہی۔ بلکہ ابھی چلے جاو۔ لیکن دھیان رہے کہ ہم تینوں کو بہرحال وادی زلمیر میں داخل ہونا ہے۔

بھلا کیسے ممکن ہے۔ حکم کی پابندی سب پر لازم آئے گی۔

تم بڑے عابد کو سمجھا سکو گے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ تم نے اسے طربدار کی بپتا سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ لیکن اس کی ممکنہ وجہ تو نہ بتائی ہوگی۔

کیسے بتاتا۔ وہ تو اب تم بتا رہے ہو۔

جاو کوشش کرو۔ انہیں سب کچھ بتا دینا۔

اچھی بات ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ کیا تم نے طربدار کو بتا دیا ہے کہ ہم دنوں کس حلیے میں اس کے ساتھ سفر کریں گے؟۔

نہیں۔ ابھی نہیں بتایا۔ اور نہ بتانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ وہ خود ہی دیکھ لے گا۔ وقت آنے پر۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر شہباز تنہا گلترنگ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

عمران سکون کے ساتھ کام کرتا رہا۔ شہباز سب کو ہدایت کر گیا تھا کہ کوئی بھی صف شکن سے ملنے کی کوشش نہ کرے داراب بھی مکان کے اس حصے میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا جہاں عمران کام کر رہا تھا۔

رات گئے شہباز کی واپسی ہوئی تھی۔ اور اس نے عمران کو خوشخبری سنائی کہ بڑے عابد نے نہ صرف اس کی تجویز سے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ اس کی مہم کی کامیابی کے لیے دعا کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

تمہارا جامہ حیوانات تیار ہو گیا ہے۔ عمران نے کہا۔ اگر بہت زیادہ تھک نہ گئے ہو تو ابھی پہن کر دیکھ لو۔

اور تمہارا؟۔

میرا بھی کل شام تک تیار ہو جائے گا۔ اور پھر رات ہی کو یہاں سے کھسک لیں گے۔ طربدار بہت بے چین ہے۔

سفر کے لیے؟۔ ہاں۔ حجرے میں اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ تازہ ہوا چاہتا ہے۔

عمران نے تھوڑی ہی دیر میں شہباز کو بن مانس بنا دیا۔

کپڑے پہننے کی ضرورت ہی نہیں۔ شہباز خوش ہو کر بولا۔

آنکھوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔

طربدار چکرا کر رہ جائے گا۔

اگر گھوڑے بھڑکے تو؟۔

تمہارا گھوڑا تمہاری بو سے مانوس ہے۔ طربدار کو اس کا گھوڑا ہی بستی تک لایا تھا۔ میری البتہ شامت آسکتی ہے۔

اگر تمہارا گھوڑا بے قابو ہو گیا تو؟۔

دیکھا جائیگا۔ ویسے تم اسی وقت اس گھوڑے سے میری ملاقات کرادو جو میری سواری میں رہے گا۔

گھوڑا تو وہ بھی میرے ہی اصطبل میں موجود ہے جس پر تم سرحدی بستی سے آئے تھے۔

کسی قدر جان پہچان والا ہی مناسب رہے گا میرے لیے۔

دوسرے دن عمران نے اپنا جامہ حیوانیت بھی تیار کر لیا تھا۔ اور طربدار کو مطلع کر دیا تھا کہ رات کو روانگی کے لیے تیار رہے۔

شائد دو بجے تھے جب دو قد آور بن مانس شہباز کے اصطبل میں داخل ہوئے تھے گھوڑوں کے سموں پر گدی اور چرمی جرابیں چڑھائی گئی تھیں اور رات کے اندھیرے میں وہ گھوڑوں سمیت باہر نکلے تھے۔

طربدار اپنے اصطبل میں ان کا منتظر تھا اندھیرے میں شائد یہی سمجھا تھا کہ انہوں نے سیاہ لباس شبری پہن رکھے تھے۔ لیکن پھر جیسے ہی وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر کھلے آسمان کے نیچے تاروں کی

چھاوں میں آئے تھے۔ طربدار خوفزدہ سی آواز میں بولا تھا تت۔۔۔۔ تم کون ہو؟۔

صف شکن اور شہباز۔ عمران نے جواب دیا۔

تت۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ تم بھی۔

ہاں۔ ہم بھی۔ تمہارے برابر ہی کھڑے ہوگئے ہیں۔

یہ کیسے ہوا سردار؟۔

صف شکن سے پوچھو۔

بس ہوگیا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ عمران بولا۔

بستی سے نکلتے ہی گھوڑوں کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد انہوں نے گھوڑوں کے سموں سے چرمی خول بھی اتار دیئے تاکہ راستہ مزید تیز رفتاری سے طے کیا جاسکے بہرحال اجالا پھیلنے سے پہلے ہی وہ گلترنگ کے غاروں کے قریب پہنچ گئے تھے۔

شہباز نے اس مخصوص غار کی طرف ان کی رہنمائی کی جس کے کسی پوشیدہ راستے سے گزر کر وہ وادی زلمیر میں داخل ہوسکتے تھے۔

کچھ دیر یہیں آرام کریں گے۔ شہباز بولا۔

اور ناشتہ بھی کرلیں گے۔ اگر کسی نے ہمیں چائے بناتے دیکھا اور روٹی سینکتے دیکھ لیا تو بے ہوش ہوجائے گا۔ عمران نے کہا۔

ادھر کوئی نہیں آتا۔ شہباز بولا۔

انہوں نے ایک جگہ آگ جلائی تھی اور سفری تھیلوں سے ناشتے کا سامان نکالنے لگے تھے۔

طربدار خاموش تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منہ میں زبان ہی نہ رکھتا ہو۔ کچھ دیر بعد عمران نے اسے چھیڑا تھا۔

ہمیں بھی اب آدمی نہ سمجھو، بے تکلفی سے گفتگو کرسکتے ہو۔

وہ طویل سانس لیکر بولا۔ کاش زبان بھی چھن گئی ہوتی۔ لیکن میں تو آدمیوں کی طرح سوچ بھی سکتا ہوں۔

آج کے سارے جانور یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آدمی ہیں۔

میں کیا بولوں۔۔۔۔ میرے پاس بولنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟۔

تن کے کپڑوں کے علاوہ اور کیا نہیں ہے تمہارے پاس ناشکری نہ کر طربدار۔

دفعتاً طربدار زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ہاں اب صرف پیٹ ہی کی فکر رہے گی۔ لیکن فکر کیسی۔ اب کوئی آدمی مجھے گھاس کھاتے دیکھ کر قہقہہ نہیں لگا سکے گا۔

بالوں کے ساتھ عقل بھی بڑھی ہے تمہاری۔

تم بتاؤ۔ کہ تم دونوں اس حال کو کیسے پہنچے؟۔

نہ بخار آیا۔۔۔۔ نہ اینٹھن ہوئی۔۔۔۔۔۔ شہباز کو بیٹھا کر یہ سمجھانے کی کوشش کررہا تھا کہ اسے شادی کرلینی چاہیئے۔ یہ نہیں نہیں کررہا تھا اور میں مصر تھا کہ اچانک دونوں کے بال بڑھنے شروع ہوگئے۔

کیا یہ سچ ہے سردار؟۔ طربدار نے شہباز سے پوچھا۔

صف شکن اگر جھوٹ بھی بول رہا ہو تو میں اسے سچ سمجھوں گا۔

آہا۔۔۔ ایک خیال۔۔۔ بالکل نیا خیال۔۔۔۔ عمران اچھل پڑا۔

شہباز اور طربدار دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عمران طربدار کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ۔ جب تم وادی زلمیر میں بیہوش ہوئے تھے تو اس سے پہلے کسی عورت کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے تھے؟۔

کیوں نہیں سوچ رہا تھا۔ اسی عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی تلاش تھی۔

خدا کی پناہ، اب میں سمجھا۔

کیا سمجھے؟۔ شہباز اسے گھورتا ہوا بولا۔

کچھ ایسی ہوا چل رہی ہے آج کل کہ عورت کا خیال آتے ہی آدمی جانور بن جاتا ہے۔

رب عظیم ہی جانے۔ طربدار نے کہا۔

اب یہ ہوگا کہ لوگ جانور بن بن کر وادی زلمیر کا رخ کرتے رہیں گے۔

تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ صف شکن؟۔ شہباز بولا۔

خود جانور بن جانے کے بعد مجھے آدمیوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

شہباز آلاؤ کو مشتعل کرنے لگا تھا۔ آگ کے گرد بیٹھے ہوئے یہ تینوں لاکھوں سال پہلے کے غاروں میں رہنے والے دوپایوں سے مختلف نہیں لگ رہے تھے۔

ہم کیسے لگ رہے ہیں؟۔ دفعتاً طربدار بولا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

دیکھو، باہر نکل آنے سے یہ فائدہ ہوا۔ تم اپنی فطری خوش مزاجی کی طرف لوٹ آئے ہو۔ عمران نے کہا۔ حجرے میں کس قدر چڑ چڑے ہو گئے تھے۔

صف شکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اپنے جانور ہو جانے پر ذرہ برابر بھی تشویش نہیں ہے۔

اپنے آدمی ہونے پر کب خوش تھا کہ جانور بن جانے پر تشویش ہوگی۔

واقعی تم عجیب ہو۔

وادی زلمیر میں پہنچ کر بھی وہ گھوڑوں کی پشت ہی پر رہے تھے عمران ان دونوں کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا اور ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔

وہ اس جگہ بھی ٹھہرے تھے جہاں طربدار بیہوش ہوا تھا لیکن کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

عمران چیخ چیخ کر ان ان دیکھے ہاتھوں کو للکار رہا تھا جو آدمیوں کو جانور بنا دینے کے ذمہ دار تھے۔ لیکن اس کی للکار کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

وادی میں بھٹکتے ہوئے یہ تیسرا دن تھا۔ اور شہباز نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ صف شکن غلطی پر ہے۔

میں غلطی پر نہیں ہوں۔ عمران بولا۔

تو پھر۔۔۔ ہم بیہوش کیوں نہیں ہوئے؟۔

اگر ہم آدمی ہوتے تو ہمیں بیہوش کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی۔

یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم دونوں تو آدمی ہیں۔ شہباز آہستہ سے بولا۔ طربدار ان سے کسی قدر دور تھا۔

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے جو ان واقعات کی ذمہ دار ہے وہ شائد ہمیں ان گیارہ افراد میں سے سمجھ رہی ہے۔ جو رحبان میں حجرہ نشین ہیں۔

تمہاری یہ بات ماننے کو دل نہیں چاہتا۔

اچھی بات ہے آج رات تم اپنی کھال اتار دو تھیلے سے اپنے کپڑے نکال کر پہنو اور چپ چاپ ڈیرے سے نکل جاو۔۔۔۔ پھر اگر بخار چڑھائے بغیر واپس آ گئے تو تم سے متفق ہو جاوں گا۔ تسلیم کر لوں گا کہ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔

میں یہی کروں گا۔ شہباز غصیلے لہجے میں بولا۔

پھر میں ایک بڑا سا استرہ بنواوں گا۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ اور روزانہ تمہارا نیچے سے اوپر تک شیو کر کے رکھ دیا کروں گا۔

شہباز کچھ نہ بولا۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ غصہ ضبط کرنے کے سلسلے میں اس کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔

وہ ڈیرے پر پہنچے تھے اور تیر کمان سے شکار کئے ہوئے خرگوشوں سے رات کی غذا تیار کرنے کا انتظام کرنے لگے تھے شکار پر کارتوس نہیں ضائع کرنا چاہتے تھے اس لیے تیر اور کمان ہی کے استعمال کی ٹھہری تھی۔

کیوں نہ ہم مستقل طور پر یہیں رہ پڑیں۔ طربدار بولا۔ بستیوں میں رہنے کے قابل تو رہے نہیں۔

وہ عورت یہی چاہتی تھی۔ عمران بولا۔

میں نہیں سمجھا؟۔

رحبان کے گیارہ آدمی حجرہ نشین ہو گئے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان پر کیا گزری۔ وہ عورت رحبان کے سردار کی بیوی بن کر بڑے عابد کے پاس پہنچ گئی۔ اس طرح پورے شکرال کی توجہ مبذول ہو گئی۔ مقصد یہی تھا کہ انہیں حجروں سے نکل آنے پر مجبور کیا جائے اور وہ بالآخر پھر وادی زلمیر ہی کی طرف نکل بھاگیں۔ وادی زلمیر۔ اس لیے کہ غاروں میں چھپ کر انہیں بھوکا مرنا پڑتا اور خودرو پھلوں کے درخت بھی بکثرت ہیں۔ یہاں وہ لوگوں کی نظروں سے چھپے بھی رہ سکتے ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ وہ گیارہ حیوان نما آدمی بھی ایک دن ادھر ہی آئیں گے۔

تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ طربدار بولا۔

میرے دل کو نہیں لگتی۔ شہباز بھنا کر بولا۔

تمہاری مرضی۔

رات کو سونے سے قبل عمران شہباز کو الگ لے جا کر بولا تھا۔ سنو وہ حماقت نہ کر بیٹھنا جو تمہارے دل میں ہے اگر تم آزمائش کے لیے انسانیت کے جامے میں یہاں سے نکل کر بھاگے تو جانور

ہی بن کر واپس آ و گے۔

اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔۔شہباز بیزاری سے بولا۔

لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہا تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد سوتا بن گیا۔ طربدار اور عمران کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ اور شہباز یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ سو گئے ہیں۔ دھیرے دھیرے رینگتا ہوا ان سے دور چلا گیا تھا۔

اسی طرح وہ اس جگہ تک جا پہنچا تھا۔ جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ اپنے ذاتی سامان کا تھیلا سر شام ہی وہاں چھپا دیا تھا گھوڑوں کے سموں پر چرمی خول چڑھائے۔۔۔پشت پر زین کسی۔۔۔اور لگام پکڑے ہوئے دور تک پیدل ہی گھوڑے کو لے گیا۔

آدھے گھنٹے تک یونہی اندازے سے کسی راستے پر چلتا رہا تھا پھر ایک جگہ رک کر جسم سے لمبے بالوں والی سیاہ کھال اتاری تھی اور تھیلے سے لباس نکال کر پہننے لگا تھا۔ شاید پہلے ہی اس جگہ کا تعین کر چکا تھا جہاں اسے رات کا باقی حصہ گزارنا تھا۔ جلد ہی وہاں پہنچ کر اس نے گھوڑے کو ایک طرف باندھ دیا اور زین کے نیچے سے کمبل نکال کر زین دوبارہ کس دی۔ شاید گھوڑے کو لیس ہی رکھنا چاہتا تھا کمبل زین پر ڈال کر تھیلا سر کے نیچے رکھا اور بے فکری سے سو گیا۔

پھر اسی وقت بیدار ہوا تھا جب سورج کی کرنیں چہرے پر پڑی تھیں جنگل پرندوں کے شور سے گونج رہا تھا وہ اٹھ بیٹھا ایک بار وہ آسمانی بلا سے خائف ہو کر بھاگ چکا تھا اسے شرمندگی تھی اور شائد اسی شرمندگی کو مٹانے کے لیے وہ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گیا تھا۔ پھر وہ شکرالی ہی کیسا جو اپنی ضد کے آگے کسی اور بات کو ٹھہرنے دے عمران نے اسے اس حرکت سے باز رکھنا چاہا تھا۔

اس نے جلدی جلدی ضروریات سے فراغت حاصل کی تھی اور وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ گویا اس بلا کا شکار ہونے کی ٹھہری تھی۔

ہر خوشبو یا بدبو پر اس طرح ناک سکوڑنے لگتا جیسے وہ ذرا ہی سی دیر میں طربدار کی بیان کردہ میٹھی میٹھی سی بول لگنے لگے گی۔

پورا دن گزر گیا تھا لیکن وہ کسی غیر معمولی حادثے کا شکار نہ ہوا۔ شام کو پھر اس نے شب بسری کے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا تھا اور گھوڑے سے اتر پڑا تھا۔

تھیلے سے کچھ نکالتے وقت اس کھال پر نظر پڑی جو اس نے پچھلے دن تک اپنے جسم پر منڈھ رکھی تھی اس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے اس کی دانست میں وہ بزدلانہ حرکت تھی۔ اسے صف شکن کے کہنے میں نہیں آنا چاہیئے تھا۔ وہ سوچتا رہا اور پھر وہ اس کھال سے پیچھا چھڑا لینے پر تل گیا جلدی جلدی ایک گڑھا کھود کر اسے اس میں دفن کر دیا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اتنا اجالا تھا کہ وہ دور تک دیکھ سکتا جگہ بھی ایسی منتخب کی تھی جہاں جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا اور وہ چاروں طرف نظر رکھ سکتا تھا۔

اس نے خشک لکڑیاں اکٹھا کیں اور آگ جلانے لگا شدت سے چائے کی خواہش محسوس کر رہا

تھا۔ لیکن پانی۔۔۔؟ بوتل کا پانی تو کبھی کا ختم ہو چکا تھا وادی زلمیر میں پانی کی کمی نہیں تھی جگہ جگہ چشموں کا پانی پتلی پتلی نالیوں میں بہتا پھرتا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ادھر ادھر پانی تلاش کرنے لگا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی اتنا پانی حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ صبح تک کام چل سکتا۔

وہ ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ ساری وادی بسیرا لینے والے پرندوں کے شور سے گونج رہی تھی اور ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی شعاعیں اونچے اونچے درختوں کی چوٹیوں کو چھو رہی تھیں۔

ایک جگہ پانی کی علامت نظر آئی۔ یہ ہریالی کی ایک لمبی سی لکیر تھی پانی کی نالی کے کناروں کی روئیدگی۔

تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اسی جانب بڑھا جا رہا تھا۔ دفعتاً کسی چیز سے پیر الجھا تھا۔ اور وہ گر پڑا تھا۔ الجھاوے سے پیر نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرا پیر بھی جنبش نہ کر سکا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے چاروں طرف باریک باریک ریشے اس پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا نہ جانے وہ لمبے لمبے ریشے کہاں سے نازل ہو رہے تھے اور اس کے گرد اس طرح لپٹے جا رہے تھے جیسے اس کے پورے جسم پر اپنا بنایا ہوا خول چڑھا دینا چاہتے ہوں اور اب تو دم گھٹنے لگا تھا پھر آہستہ آہستہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

ریشوں کی یلغار اب بھی جاری تھی۔۔۔۔ اور اس کے اوپر ان کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا۔ دیر تک وہ

شہباز کا انتظار کرتے رہے تھے۔ پھر عمران کے مشورے پر طربدار اس کی تلاش میں نکلنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

میرا خیال ہے وہیں سے ابتدا کی جائے جہاں تم جانور بنے تھے عمران نے کہا۔

وہاں تو ہم پہلے ہی جا چکے ہیں؟۔

تم سمجھتے نہیں۔ شہباز کو یقین نہیں تھا کہ وہ کسی آدمی کی حرکت تھی۔ وہ اسے آسمانی بلا ہی سمجھنے پر مصر تھا۔ لہذا وہاں پھر گیا ہو گا۔ لیکن اسے مایوسی ہو گی۔

میں نہیں سمجھا؟۔

اگر وہ آسمانی بلا بھی ہے تو صرف آدمیوں کا پیچھا کرتی ہے جانوروں کا نہیں۔

یہ بات تو سمجھ میں آنے والی ہے۔ اب ہم اس کی تلاش میں ہیں لیکن وہ نہیں ملتی۔

نہیں ملے گی۔ کیونکہ ہم جانور بن چکے ہیں۔

وہ دیوانہ ہے اپنی بات کے آگے کسی کی نہیں چلنے دیتا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ ان کے گھوڑے ایک بار پھر گھنے جنگل میں گھس پڑے تھے۔

ہم کسی عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ طربدار ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

مزہ تو تب آئے گا جب ان بالوں میں جوئیں پڑیں گی۔

طربدار کے بالوں میں جوئیں پڑتیں یا نہ پڑتیں لیکن جب خشک چمڑے کے اندر جسم میں کھجلی اٹھتی تھی تو عمران ناچ کر رہ جاتا تھا بس چلتا تو پورے درخت کے تنے سے رگڑ رگڑ کر رکھ دیتا لیکن

خدشہ تھا کہ بہروپ اتر جائے گا۔

شہباز کی تلاش جاری رہی۔ پھر دن ڈوبنے لگا تھا۔ اور انہوں نے رات بسر کرنے کے لیے ایک مناسب سی جگہ تلاش کر لی تھی یہ ایک مسطح اور صاف ستھری چٹان تھی جس کے گرد پھل دار درخت بھی تھے۔ اور قریب ہی پانی بھی موجود تھی۔

دھند پھیلنے لگا تھا دفعتاً طربدار آہستہ سے بولا۔ یہاں کوئی اور بھی ہے۔

کہاں؟۔ عمران چونک پڑا۔

پتہ نہیں۔۔۔۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے۔

پرواہ مت کرو۔ اگر ہمارے جیسا ہوگا تو ادھر ضرور آئے گا، اور اگر آدمی ہوا تو ہم سے چھپ کر دور ہی سے بندوق داغ دے گا۔

اس میں پرواہ نہ کروں؟۔ طربدار نے حیرت سے پوچھا۔

روزانہ اوپر سے نیچے تک شیو کرنے کی نسبت مرجانا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ عمران نے کہا اور لچکنا تھرکنا شروع کر دیا۔

یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تم کیا کر رہے ہو؟۔ طربدار نے حیرت سے کہا۔

ورزش۔۔۔۔ عمرنا بولا۔ حالانکہ یہ خشک کھال کے نیچے کھجلی اٹھنے کی بنا پر ہو رہا تھا۔ وہ اس کی طرف سے ذہن ہٹا لینے کے لیے زور زور سے گانے لگا تھا۔

کوئی نہیں ہمارا۔ پھرتے ہیں بے سہارا۔ سن اے خدارا۔ لوسی ہو یا کلارا۔

ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔۔ یہ کون سی زبان ہے؟۔ طربدار بولا۔

کھجلی کی۔

طربدار نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ادھر آ و۔۔۔۔۔۔ میں کھجا دو۔

نہیں۔۔۔۔ میرے بال الجھ جائیں گے۔

شائد جوئیں پڑ گئی ہیں۔ مجھ سے دور ہی رہنا۔ طربدار نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

عمران بڑی دیر تک اچھلتا کودتا اور زمین پر لوٹیں لگاتا رہا تھا پھر بن مانسوں کی سی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگی تھیں۔

طربدار ہنستا رہا۔

پھر اس نے کہا۔ اے بھائی صف شکن۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم بن مانس نہیں ہو۔

دیکھے کوئی۔

اسی وقت دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے انہوں نے کسی کا قہقہہ سنا آواز قدرے دور کی تھی۔

اگر صرف عمران ہی خاموش ہوا ہوتا تو سماعت کا واہمہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتا لیکن اسے طربدار کی آنکھوں میں بھی چونکنے کا تاثر نظر آیا تھا۔

قہقہہ پھر سنائی دیا۔ اور یہ یقیناً کسی عورت ہی کی آواز ہو سکتی تھی دونوں ہی تیزی سے چٹان کے سرے کی طرف لپکے تھے کوئی نہ دکھائی دیا۔

عورت۔ طربدار آہستہ سے بولا۔

چھپ جاو۔ کہیں ہمیں دیکھ کر چیخیں نہ مارنے لگے۔ عمران نے کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں سامنے والے درختوں کے جھنڈ سے اپنے ہی جیسے دو جانور برآمد ہوتے دیکھے ابھی اتنا اجالا تو تھا ہی کہ ان کی رنگت بھی سجھائی دے جاتی۔ ان میں سے ایک جانور سنہرے بالوں والا تھا اور دوسرا سفید بالوں والا۔

صف شکن۔ کہیں وہ ہمارے گھوڑے نہ چرالے جائیں۔ طربدار مضطربانہ انداز میں بولا ٹھیک اسی وقت گھوڑے بہت زور سے ہنہنائے تھے اور انہوں نے تیزی سے اس نشیب میں اترنا شروع کر دیا تھا جس کے اختتام پر گھوڑے باندھ آئے تھے۔

ادھر وہ دونوں سنہرے اور سفید جانور بھی گھوڑوں کی آواز پر متوجہ ہو کر ادھر ہی چل پڑے تھے۔ اور پھر جیسے ہی ان کی نظریں کالے جانوروں پر پڑی تھیں پہلے تو ٹھٹکے تھے پھر خوفزدہ انداز میں چیخنے لگے تھے۔ چیخنے نہیں لگے تھے بلکہ چیخنے لگی تھیں۔ کیونکہ آوازوں سے دونوں مادائیں لگتی تھیں۔

عمران زوردار قہقہہ لگا کر طربدار سے بولا۔ لے میرے یار۔ اب بنی ہے بات۔

ادھر ایک نے دوسری سے انگلش میں کہا۔ ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں۔ یہ بھی ہماری ہی طرح آدمی معلوم ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہم ان کی زبان سمجھ سکیں یہ انہی کے گھوڑے معلوم ہوتے ہیں۔

تم ٹھیک سمجھیں محترمہ۔ عمران بولا۔ یہ ہمارے ہی گھوڑے ہیں۔ لیکن ہم تمہیں آدمی کدھر سے

لگ رہے ہیں؟۔

واہ۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔ سنہری مادہ پر مسرت لہجے میں چیخی۔ اور یہ ہماری زبان بول اور سمجھ سکتا ہے۔

خدا کا شکر ہے۔ سفید مادہ نے کہا۔

تم اس جنگل کی نہیں معلوم ہوتیں؟۔ عمران بولا۔

اب تو شاید اسی جنگل میں رہنا ہے۔ سنہری مادہ نے کہا۔

تمہارے نر کہاں ہیں؟۔

ہم پندرہ دن سے یہاں بھٹک رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ یہاں تک کیسے پہنچے۔ سفید مادہ بولی۔ ہم دونوں تنہا تھے۔

تمہیں ہمارے علاوہ اور کوئی کالا جانور تو نہیں ملا؟۔

نہیں۔ پندرہ دن بعد تم ہی ملے ہو۔ سنہری مادہ نے کہا۔

دوسرا کچھ نہیں بول رہا؟۔ سفید مادہ بولی۔

وہ صرف اپنی ہی زبان بول اور سمجھ سکتا ہے۔ میں انگلش، فرنچ، جرمن اور اطالوی وغیرہ کئی زبانیں بول سکتا ہوں۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ تمہارے پاس کھانے کو بھی کچھ ہے یا نہیں۔ ہمارا گزارا صرف بدمزہ پھلوں پر ہو رہا ہے؟۔

خشک گوشت ابال کر کھلا سکتے ہیں۔ چائے بھی پلا دیں گے۔

ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سنہری مادہ نے کہا۔

آ و۔۔۔۔ ہمارے ساتھ۔ عمران چڑھائی کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ لیکن طربدار اس سے پہلے ہی بندروں کی طرح چھلانگیں لگاتا ہوا چڑھائی پر دوڑتا چلا گیا تھا۔

اسے کیا ہوا؟ سنہری مادہ بولی۔

ماداوں سے بھڑکتا ہے۔ ابھی اس کا جوڑ نہیں ملا۔

تم اس طرح کیوں کہہ رہے ہو۔ کیا ہم سچ مچ جانور ہیں؟ سفید مادہ بولی۔

پھر کیا ہے؟۔

ایک ماہ پہلے تو میں جانور نہیں تھی۔

میں بھی نہیں تھا۔

تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ عمران بولا۔

تم کس طرح بنے تھے جانور؟ سنہری مادہ نے پوچھا۔

ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم پھینکنے کے بعد۔

مجھ پر طنز نہ کرو میں امریکن نہیں ہوں انگریز ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میں کس طرح اس حال کو پہنچی تھی۔

یہاں کس طرح پہنچیں؟۔

یہ بھی نہیں جانتی۔ لنکا شائر کے ایک ہسپتال میں نرس تھی۔ بس اتنا یاد ہے۔ ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ پھر کچھ یاد نہیں آتا۔

اور تم۔۔۔؟ عمران نے سفید مادہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

لندن کے ایک فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ اتنا یاد ہے کہ ایک رات کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ اس کے بعد کچھ بھی یاد نہیں آتا۔

وہ چٹان پر پہنچ گئے تھے۔ طربدار آگ جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھا اور دوسری جانب نشیب میں اتر گیا۔

ٹھہرو۔۔۔ سنو۔ کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ عمرنا زور سے بولا۔

تم بھی آ و۔۔۔ الگ بات کروں گا۔ ان کتیوں کو وہیں چھوڑ دو۔

کتیاں نہیں۔۔۔ بندریاں ہیں۔ عمرنا نے کہا اور ماداوں سے بولا۔ تم لوگ آگ جلانے کی کوشش کرو۔ میں ابھی آیا۔

پھر وہ بھی نشیب میں اتر گیا۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد طربدار اسے منتظر ملا تھا۔

تم کچھ محسوس کر رہے ہو؟ طربدار نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

کیا محسوس کر رہا ہوں؟ عمران نے حیرت سے سوال کیا۔

ان عورتوں سے عجیب سی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ میں پاگل ہوا جا رہا ہوں۔

کیا مطلب؟۔

مجھے ان سے دور ہی رہنا چاہئے۔

تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ مجھے تو ان میں ذرا سی بھی خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔

اوہ۔۔۔ صف شکن۔ ہوا کا رخ ادھر ہی ہے۔ وہ خوشبو یہاں تک پہنچ رہی ہے۔

تو خوشبو تمہیں پاگل کر دیتی ہے؟۔

ہر خوشبو نہیں۔۔۔۔ صرف یہ خوشبو۔۔۔۔۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟۔

اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ میں سمجھ گیا۔ تو پھر پاگل ہو جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو آدمی رہے نہیں کہ ہمیں اخلاقی ضابطوں کا پاس ہوگا جو جی چاہے کرو۔

میں شکرالی ہوں اور تم جانتے ہو کہ ہم غیر قوموں میں اپنی نسل کی داغ بیل نہیں ڈالتے۔

عمران نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ اب تم صرف جانور ہو۔۔۔۔۔۔ کوئی بھی شکرالی تمہیں اپنی بیٹی نہیں دے گا۔۔۔۔ چلو۔۔۔۔ واپس چلو۔

تم نے کس کو پسند کیا ہے؟۔

کھجلی کو۔۔۔۔۔ عمران اچھل کر بولا اور پھر نیچے گر کر لوٹیں لگانے لگا کسی کتے کے پلے کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں کئے جا رہا تھا۔ پورے جسم میں بہت زور کی کھجلی اٹھی تھی۔

طربدار نروس سی ہنسی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔

سنو صف شکن۔ اس نے کہا۔ تم بھی ان میں سے کسی کو پسند کر لو۔۔۔۔۔ تمہارے جوئیں نکال دیا کرے گی۔

عمران کچھ دیر تک لوٹیں لگاتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا چلو۔۔۔۔۔ ان سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔۔۔۔ یہ ہمارے ہی لیے بھیجی گئی ہیں۔

کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔ کس نے بھیجی ہیں؟۔

مقدر نے۔۔۔۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تم کیسے جانور ہو؟۔

میں چل رہا ہوں۔ لیکن مجھے پھر الزام نہ دینا۔

جانوروں کو الزام کے معنی تک نہیں معلوم۔

وہ اسے اوپر کھینچ لے گیا تھا۔ دونوں آگ بھڑکا چکی تھیں۔

کہاں ہے خشک گوشت۔ کس طرح ابالو گے؟۔ سنہری مادہ بولی۔

ابھی بتاتا ہوں۔ عمران نے کہا اور طربدار سے بولا۔ گھوڑوں سے تھیلے اتار لاؤ۔

وہ چپ چاپ دوسری طرف اتر گیا تھا۔

عمران نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میرے جانور بننے کی داستان عجیب ہے۔ یہاں وادی کے ایک حصے میں شکار کھیل رہا تھا۔ اچانک میٹھی میٹھی سی بو محسوس کی اور پھر جب ہوش ہونے لگا تو خیال آیا کہ وہ سنتھیلک گیس ہی کی بو ہو سکتی ہے۔ بہر حال بیہوش تو ہونا ہی پڑا تھا۔ ہوش میں آیا تو بہت ہی تیز قسم کا بخار محسوس ہوا سارا دن بخار میں تپتا رہا پھر اچانک جسم میں اینٹھن شروع

ہوئی آہستہ آہستہ پورا جسم بالوں سے ڈھک گیا میرا داہنا بازو بری طرح دکھ رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق شاید بیہوشی کی حالت میں کوئی چیز میرے بازو میں انجکٹ کی گئی تھی۔

تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ اسی انجکشن کا اثر ہے؟۔ سفدی مادہ بولی۔

پھر اور کیا کہوں؟۔

اتنے میں طربدار واپس آ گیا۔ سنہری مدہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جھپٹ کر اٹھی اور اس کے ہاتھ سے تھیلے لینے لگی طربدار نے تھیلے زمین پر ڈالے اور چھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

وہ ہنس پڑی اور عمران سے بولی۔ کیا یہ مجھے کٹکھنی سمجھتا ہے۔

شریف جانور ہے۔

مجھے پسند ہے۔ سنہری مادہ نے کہا۔ میں اس کے لیے عجیب سا جذبہ محسوس کر رہی ہوں۔

کئے جاو۔ میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔

میں نے اس شدت سے کبھی۔۔۔

بکواس کی ضرورت نہیں۔۔۔ خاموشی سے بیٹھو۔ ورنہ وہ بھڑک کر بھاگ جائے گا۔

اسے کیا ہو گیا ہے؟۔

میری ہی طرح وہ بھی رومن کیتھولک ہے پادری کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

سنہری مادہ ہنس پڑی اور بولی۔ مسخرے جانور ہو۔ جس پادری کے پاس جائیں گے یا تو ڈنڈا مار کر بھگا دے گا یا چڑیا گھر کے منیجر کو فون کر دے گا۔

اس لیے چپ چاپ ابلا ہوا گوشت کھاو اور خدا کا شکر ادا کرو جس نے ہمیں آدمی بنا کر پیدا کیا تھا۔

کیا یہ کوئی نئی قسم کی بیماری ہے؟۔ سفید مادہ نے پوچھا۔

تمہیں بیماری ہی لاحق ہوتی ہو گی لیکن اپنے سلسلے میں کسی آدمی ہی کی حرکت سمجھتا ہوں۔

آخر کیوں؟۔

میں کیا جانوں، جو اپنی انا کے لیے ایٹم بم بنا سکتا ہے۔ وہ تفریح کے لیے آدمی کو جانور بھی بنا سکتا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا۔

تم بھی ابلا ہوا گوشت کھاو۔ اور سب کچھ بھول جاو جب تک میرے پاس کارتوس موجود ہیں تمہیں کھلاتا رہوں گا گوشت۔

مکمل تاریکی چھا گئی تھی۔ لیکن خشک لکڑیوں میں بھڑکنے والی آگ سے اتنی روشنی پھیل رہی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے۔

پتہ نہیں شہباز کہاں اور کس حال میں ہو؟۔ طربدار بولا۔

کیا کہہ رہا ہے؟۔ سنہری مارہ نے عمران کی طرف جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

پادری کی تلاش میں جا رہا ہے۔

تم دونوں ہی احمق معلوم ہوتے ہو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں سلویا؟۔ اس نے سفید مادہ کو مخاطب

کیا۔

تم اس کے لیے جو کچھ محسوس کر رہی ہو آخر میں اس کے لیے کیوں نہیں محسوس کر رہی؟۔ سفید مادہ نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

مجھ پرولیوں کا سایہ ہے۔ عمران نے درویشانہ شان سے کہا۔

میں جو کچھ بھی محسوس کر رہی ہوں اسی کے لیے محسوس کر رہی ہوں۔ سفید مادہ نے طربدار کی طرف اشارہ کیا۔

تمہیں ایسا نہ کہنا چاہیئے سلویا۔ سنہری مادہ برامان کر بولی۔

تم اس کے لیے میرے جذبے سے واقف ہو۔

میں نے تو یونہی ایک بات کہی تھی۔

لو بیٹا، اب دونوں کو سنبھالو۔ عمران نے طربدار سے کہا۔

کیا ہوا؟۔

دونوں کو تمہارے ہی جسم سے عجیب سی خوشبو پھوٹتی محسوس ہو رہی ہے۔

اور تم۔۔۔؟

کھجلی۔ عمران اچھل پڑا۔ اور پھر پہلے ہی کی طرح لوٹیں لگانے لگا۔

دونوں مادائیں بوکھلا کر کھڑی ہو گئیں۔

کیا ہوا؟۔ انہوں نے بیک زبان پوچھا تھا۔

کچھ نہیں۔۔۔۔ لوٹیں لگا رہا ہوں۔۔۔۔ آدمی تو ہوں نہیں کہ کمپنی میں شائستگی سے بیٹھوں۔

ہمیں تو لوٹیں لگانے کی خواہش نہیں ہوتی۔

ابھی جوئیں نہیں پڑیں تمہارے بالوں میں۔

ارے تو کیا جوئیں بھی پڑ جاتی ہیں؟۔

شیمپو سے نہاؤ گی نہیں اور کنگھی نہیں کرو گی تو ضرور پڑیں گی۔

خدایا ہم کیا کریں؟۔

عمران کچھ نہ بولا۔ کھجلی کم ہوئی تو پھر اٹھ بیٹھا۔

طربدار نے خشک گوشت کے ٹکڑے برتن میں ڈال دیئے تھے۔ اور اسے آگ پر رکھتا ہوا عمران سے بولا۔ کیا یہ میرے بارے میں کچھ کہہ رہی ہیں؟۔

بالکل۔۔۔۔ مجھے تو کاٹھ کا الو سمجھتی ہے۔

بھائی صف شکن، ہیں تو مادائیں ہی۔۔۔۔ اور سنو۔۔۔۔ اب میں نہ آدمی ہوں اور نہ یہ عورتیں۔

یہ کیا بات ہوئی؟۔

تمہاری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ضابطہ اخلاق تو آدمیوں کے لیے ہوتا ہے۔

تم بھی ابلا ہوا گوشت کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں جانور بننے کا موقع عطا کر دیا۔

تم کچھ بھی کہو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔

موت کی طرح اٹل فیصلہ۔ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ جانوروں کی خاندانی منصوبہ بندی ممکن نہیں۔

کیا یہ میرے متعلق کچھ کہہ رہا ہے؟۔ سنہری مادہ نے پوچھا۔

ہاں اب یہ میری طرح رومن کیتھولک نہیں رہا۔ بالوں کی غیر فطری پیداوار نے اسے فری تھنکر بنا دیا ہے۔ لہذا پادری کی ضرورت نہیں رہی۔

ہم میں سے کسے پسند کرتا ہے؟۔

دونوں کو۔

کیا بات ہوئی؟۔

پوچھ کر بتاتا ہوں۔ عمران نے کہا اور طربدار سے بولا۔ سنہری مادہ کا خیال ہے کہ وہ تم سے نباہ کر لے گی۔

اس سے کہو میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔

لیکن میں ترجمانی کے فرائض زیادہ دیر تک انجام نہیں دے سکوں گا۔

اتنا تو کہہ دو۔

کہہ دوں گا۔۔۔۔ برتن کا دھیان بھی رکھنا کہیں گوشت ضائع نہ ہو جائے۔

دوسری صبح عمران کی آنکھ کھلی تو تنہا تھا۔ نہ دونوں مادائیں دکھائی دیں اور نہ طربدار۔ صرف عمران ہی کا سامان وہاں موجود تھا طربدار کا سامان غائب تھا۔

عمران نے اٹھ کر اس نشیب میں دوڑ لگا دی۔ جدھر گھوڑے باندھے تھے طربدار کا گھوڑا غائب تھا۔

اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا گھوڑا موجود تھا۔ اور تھوڑے ہی فاصلے پر سفید مادہ پڑی سو رہی تھی۔

کیا چکر ہے؟۔ وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور سے آوازیں دینے لگا۔

سلویا۔۔۔۔ سلویا۔

لیکن وہ بیدار نہ ہوئی۔ قریب پہنچ کر جھنجھوڑا بھی۔ لیکن لاحاصل وہ بیہوش معلوم ہوئی تھی۔ البتہ سانس معمول کے مطابق چل رہی تھی وہ خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے بعد سفید مادہ کے جسم میں حرکت ہوئی تھی۔

عمران نے پھر آوازیں دیں اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

ایک گھوڑا کھا گئیں تم بالآخر۔ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کتیا۔۔۔۔ اسے اڑا لے گئی۔

کتیا۔۔۔۔؟ کیا بک رہی ہو؟۔

مارتھا۔۔۔ سنہرے بالوں والی۔۔۔۔ تمہارے ساتھی کو اڑا لے گئی۔ میں نے دونوں کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی مارتھا سے جھگڑتی ہوئی یہاں تک آئی تھی آخر کار مارتھا نے جھلا کر میرے سر پر ڈنڈا مارا اور میں بیہوش ہوگئی۔

تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟۔

بس غلطی ہوگئی۔

تم جھوٹ بول رہی ہو وہائیٹی۔۔۔تم دونوں نے مل کر اسے اڑا لے جانا چاہا تھا۔ لیکن مارتھا تم سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی اور بالآخر وہ تمہیں جل دے گئی۔

جو چاہو سمجھو۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔

اب میں تمہیں یہیں تنہا چھوڑ جاوں گا۔

تم ایسا نہیں کرسکتے۔

مجھے کون روکے گا؟۔

میں روکوں گی۔۔۔تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟۔

جادوگرنی۔۔۔تم ہی ہماری اس مصیبت کی ذمہ دار ہو۔

بس خاموش رہو۔۔۔میں لڑائی جھگڑا پسند نہیں کرتی۔

چلو جانور بننے سے یہ فائدہ تو پہنچا۔ بحثیت عورت خاصی چڑچڑی رہی ہوگی۔

مجھے بھوک لگ رہی ہے۔

کس درخت کے پتے پسند کروگی؟۔ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

خشک گوشت ہے تمہارے پاس؟۔

مجھے یقین نہیں کہ مارتھا نے اسے تھیلے میں چھوڑا ہو۔

کیا سب سامان لے گئی؟۔

میں نے دیکھا نہیں۔ عمران واپسی کے لیے مڑتا ہوا بولا۔

لیکن اس کا خیال غلط نکلا تھا۔ تھیلے سے کوئی چیز غائب نہیں ہوئی تھی۔

تو پھر تمہارا ساتھی ہی بہت شریف معلوم ہوتا ہے۔ سفید مادہ بولی۔ مارتھا تو بہت ذلیل ہے۔

تو سر پر کیوں چڑھی آ رہی ہو۔۔۔دور ہٹ کر بیٹھو۔

شائد تم کسی غیر ترقی یافتہ قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے۔

میری جوئیں ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ سفید کھال انہیں بہت پسند آئے گی۔

جج۔۔۔جوئیں۔۔۔وہ ہکلائی اور پیچھے ہٹ گئی۔

ناشتے کے بعد وہاں سے روانگی کی ٹھہری تھی۔ اور سفید مادہ نے کہا تھا میں تمہارے ساتھ گھوڑے پر نہیں بیٹھوں گی۔

ٹھیک ہے۔ تم پیدل چلو۔۔۔۔ورنہ جوئیں۔

تم مجھے پیدل چلاوگے اور خود گھوڑے پر بیٹھوگے۔ شرم نہیں آتی؟۔

شرم کی کیا بات ہے؟۔

میں عورت ہوکر پیدل چلوں۔

عورت پیدل ہی اچھی لگتی ہے۔ گھوڑے کی چال کون دیکھتا ہے۔

تو کیا میں اب بھی چلتی ہوئی اچھی لگتی ہوں؟۔

بہت زیادہ۔۔۔ اسی میں چاہتا ہوں کہ تم گھوڑے سے آگے آگے چلو یہ ایک آرٹسٹ گھوڑا ہے۔

مجھے بیوقوف نہ بناو۔ میں پیدل نہیں چلوں گی۔ مجھے گھوڑے پر بٹھاو اور خود لگام پکڑ کر پیدل چلو۔

اسے میرا ساتھی لے گیا ہے اور تمہیں گھوڑا لے جائے گا۔

اچھا تو دونوں پیدل چلیں گے؟۔

ٹھیک ہے۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ یہاں آدمی تو ہیں نہیں کہ گھوڑے کی موجودگی میں پیدل چلتے دیکھ کر قہقہے لگائیں گے۔

کچھ دیر چلنے کے بعد سلویا بولی تھی۔ کیا تم اپنے اس حال پر مطمئن ہو؟۔

بالکل۔۔۔۔ اتنا زیادہ اطمینان پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا بے اطمینانی تو سوشل پوزیشن برقرار رکھنے کے سلسلے میں پیدا ہوتی ہے۔

تم ٹھیک کہتے ہو مجھے بھی آج کل گہری نیند آتی ہے۔ سلویا نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد سلویا چلتے چلتے رک گئی۔

کیوں۔۔۔۔ رک کیوں گئیں؟۔ عمران نے پوچھا۔

آخر ہم کہاں جا رہے ہیں؟۔ اس نے کہا۔

مجھے اپنے ایک اور ساتھی کی تلاش ہے جو اس دوران میں بچھڑ گیا تھا۔

ہمارا ہی جیسا ہے؟۔ سلویا نے سوال کیا۔

ہاں۔۔۔ میرا جیسا۔

انگریزی سمجھتا ہے؟۔

نہیں۔

وہ کچھ اور کہتے کہتے رک گئی۔ کہیں دور سے گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز آئی تھی۔ عمران بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ ہنہناہٹ پھر سنائی دی۔

اس بار عمران نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا تھا۔

تم یہیں ٹھہرو۔۔۔۔ اس نے کہا اور اچھل کر گھوڑے پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ وہ اس کی کمر تھام کر جھول گئی۔

یہ کیا کر رہی ہو؟۔

تم مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔

پیدل ہم اس کا تعاقب نہیں کرسکتیں۔

کس کا؟۔

ہوسکتا ہے میرا وہی ساتھی ہو جسے مارتھا لے بھاگی ہے۔

دونوں جائیں جہنم میں۔۔۔۔

اچھا تم گھوڑے سمیت یہیں ٹھہرو۔ میں پیدل ہی دوڑ لگاوں گا۔

یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

تب پھر میں تمہیں مار ڈالوں گا۔

اچھا میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاوں گی گھوڑے پر۔

جوئیں۔۔۔۔

وہ تو پڑنی ہی ہیں۔۔۔۔ کب تک بچوں گی۔

چلو جلدی کرو۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ سلویا نے پیچھے سے عمران کی کمر جکڑ رکھی تھی۔

اگر کوئی آدمی ہمیں اس طرح دیکھ لے تو اس کا کیا ریمارک ہوگا؟۔ سلویا نے کہا۔

گھوڑے پر دن رات مل رہے ہیں۔

نامعلوم گھوڑے کی ہنہناہٹ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سنائی دیتی سمت کا تعین ہو ہی چکا تھا۔ عمرنا کا گھوڑا آگے بڑھتا رہا۔ حتی کہ وہ آواز اسے بہت قریب ہوگئے اور انہیں ایک جگہ ایک گھوڑا درخت کے تنے سے بندھا ہوا نظر آیا۔

پھر دونوں گھوڑے بیک وقت ہنہنائے تھے۔

اظہار شناسائی۔ عمران بولا۔ یہ بلاشبہ میرے دوسرے گمشدہ ساتھی کا گھوڑا ہے۔

چلے جاو۔ قریب کی جھاڑیوں سے غراہٹ سنائی دی۔

میں سمجھ رہا ہوں۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ اس نے شہباز کی آواز پہچان لی تھی۔

میں کہتا ہوں۔۔۔۔ چلے جاو۔

شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم خیرت سے تو ہونا؟۔

اس بار شہباز نے جوابا کچھ نہیں کہا تھا۔ سلویا عمرنا کے قریب آکھڑی ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

میں ویسی ہی خوشبو محسوس کر رہی ہوں۔

ہوں۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ تب تمہیں خوش ہونا چاہئے۔

یہ کہاں سے بول رہا ہے؟۔

سامنے والی جھاڑیوں سے۔

یہ کون ہے؟۔ دفعتا پھر شہباز کی غراہٹ سنائی دی۔

مادہ ہے سفید نسل کی۔۔۔۔۔ ایک اور تھی سنہری رنگت والی۔ اسے طربدار لے بھاگا۔ یہ تمہارے لیے رہے گی۔۔۔۔ اب باہر آو۔

میں کہتا ہوں چلے جاو۔۔۔۔ تمہاری باتوں میں پڑ کر میں اس حال کو پہنچا ہوں۔

تم غلط کہہ رہے ہو۔ اگر واقعی تم بن مانس بن گئے ہو تو تم سے کھال اتار دینے کی غلطی ضرور سرزد ہوئی ہوگی۔

اس سے کیا ہوتا ہے؟۔

ہوں۔۔۔۔ تو یہ سچ ہے کہ تم نے کھال اتر دی تھی؟۔

خاموش رہو۔۔۔۔ مجھ پر آسمانی بلا نازل ہوئی تھی۔۔۔۔۔ میں نے طربدار کی طرح کسی قسم کی

بومحسوس کی تھی اور نہ مجھے بخار آیا تھا۔

میں پوچھ رہا ہوں کہ تم نے کیا اس حادثے کا شکار ہونے سے پہلے کھال اتار دی تھی؟۔

ہاں۔۔۔ میں نے کھال اتار دی تھی۔

تو پھر مجھے کیوں الزام دے رہے ہو۔ میں تو اب بھی ویسا ہی ہوں جیسا پہلے تھا۔

اب میرا کیا ہوگا؟۔

رب عظیم ہی جانے۔ عمران طویل سانس لے کر بولا۔ یا تو تم اس مہم پر نہ آتے۔ یا پھر وہی کرتے جو میں نے کہا تھا۔ اب بھی عقل کے ناخن لو اور مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔

اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

باہر آو۔۔۔ عمرن نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے کہ تم چھپ کر مجھے گولی مار سکتے ہو۔

دفعتا جھاڑیوں کو جنبش ہوئی اور شہباز چھلانگ مار کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنی چھاتی پیٹتا ہوا دہاڑا۔ میں۔۔۔ ضرغام کا بیٹا۔۔۔ تمہیں چھپ کر گولی ماروں گا۔

چلو اسی طرح سہی۔۔۔ تم سامنے تو آئے۔ عمران ہنس کر بولا۔

لیکن شہباز اب سلویا کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور اس طرح نتھنے سکوڑ سکوڑ کر سانس لے رہا تھا جیسے کسی قسم کی بو کا اندازہ کر رہا ہو۔

کیا میرے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے؟۔ سلوریا نے پوچھا۔

ابھی تو نہیں کہہ رہا۔۔۔ لیکن کہے گا ضرور۔۔۔ تم مطمئن رہو۔

آخر تمہارے پاس یہ خوشبو کیوں نہیں آتی؟۔

کاربولک صابن کھاتا ہوں۔

یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو کوئی فرنگن معلوم ہوتی ہے۔ شہباز نے کہا۔

اب تم خود سوچو۔۔۔ کہ اس وادی میں کسی فرنگن کا کیا کام۔۔۔۔۔ یہ سمندر پار کے ایک ملک میں رہتی تھی۔ ایک رات اپنے گھر میں سوئی۔ آنکھ کھلی تو یہاں تھی۔ اور سفید بن مانس کی مادہ بن چکی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا؟۔

کیا تم اس کے لیے کچھ محسوس کر رہے ہو؟۔

ہاں، کچھ ہے تو۔۔۔ یہ خوشبو شائد اسی کے جسم سے پھوٹ رہی ہے۔

طربدار نے بھی یہی کہا تھا۔ اور سنہری مادہ کو لے بھاگا۔

کیا تم یہ خوشبو محسوس نہیں کر رہے؟۔

ہرگز نہیں میں نے بڑے بالوں والے بکرے کی کھال پہن رکھی ہے۔ اور ابھی تک کسی بکری سے ملاقات نہیں ہوئی۔

اس سے پوچھو۔۔۔ کیا یہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے گی؟۔

ضرور۔۔۔ ضرور اس نے یہاں پہنچتے ہی تمہاری بو محسوس کر لی تھی اب میں بالکل تنہا ہو جاوں

گا۔ ویسے کیا تو یہ بتانے کی زحمت گوارا کرو گے کہ تم پر کیا گزری؟۔

ضرور بتاؤں گا۔

اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس کھال کو کہاں پھینکا؟۔

میں نے اسے ایک گڑھے میں دفن کر دیا تھا۔

مجھے اس جگہ لے چلو جہاں تم نے اسے دفن کیا تھا تمہاری کہانی بعد میں سنوں گا۔۔

کھال گڑھے میں موجود تھی۔ عمران نے اطمینان کا سانس لیا اور سر ہلا کر بولا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ان حرکتوں کے ذمہ دار نے تمہیں صرف آدمیوں کے لباس میں دیکھا تھا۔ ورنہ یہ یہاں موجود نہ ہوتی۔

تم پتہ نہیں کہاں کی ہانک رہے ہو؟۔ شہباز جھنجھلا کر بولا۔ ابھی تم نے میری کہانی کہاں سنی ہے کہ حکم لگانے لگے۔ سناؤ۔

شہباز نے ٹھہر ٹھہر کر پوری تفصیل سے اپنی روداد دہرائی تھی۔ اور ریشوں کا ذکر کرتا ہوا بولا تھا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ریشے کہاں سے آ رہے تھے۔ باریک اور لمبے لمبے ریشے مجھ جکڑتے چلے جا رہے تھے ایسی شدید یلغار تھی کہ میں ان کے پار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میرا دم گھٹ گیا میں نہیں جانتا کہ مجھے کب اور کس طرح ہوش آیا تھا لیکن آیا تھا اسی جگہ جہاں مجھ پر ریشوں کی یلغار ہوئی تھی۔ بہرحال ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو اسی حال میں پایا تھا جس میں تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔

اور تمہارے کپڑے؟۔ عمران نے پوچھا۔

وہ میرے جسم پر نہیں تھے۔

تم نے انہیں تلاش کیا ہوگا؟۔

کیا تھا۔۔۔ لیکن نہیں ملے۔

آسمانی بلا لے گئی ہوگی۔ عمران ہنس کر بولا۔ حالانکہ طربدار نے بال بڑھنے کے بعد اپنے کپڑے خود اتارے تھے۔ یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔

فی احال دو طریقے سمجھ میں آئے ہیں ایک وہ طربدار کو جانور بنانے کے سلسلے میں اختیار کیا گیا اور دوسرا وہ جو تم پر آزمایا گیا۔ اور ہاں۔۔۔ تیسرا وہ کہ ان لڑکیوں کو علم ہی ہ ہو سکا کہ وہ سوتے میں جناور کس طرح بن گئیں۔ بہرحال، ہے یہ کسی آدمی ہی کا کارنامہ۔ اب تم مجھے اس جگہ لے چلو جہاں پر ریشوں کی یلغار ہوئی تھی۔

میں تمہیں وہاں نہیں لے جاؤں گا۔ کیوں؟۔

میں نہیں چاہتا کہ تم بھی۔۔۔

اور میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ریشے خود مختار ہیں یا کسی کے اشارے پر یلغار کرتے ہیں۔

ہوش میں آنے کے بعد مجھے ایک ریشہ بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

سنو، اگر مجھ پر بھی ریشوں کی یلغار ہوئی تو یقین کروں گا کہ وہ کوئی آسمانی ہی بلا ہے اور اگر نہ ہوئی تو پھر اسی خیال پر جما رہوں گا کہ دور سے دیکھنے والی آنکھ مجھے جانور ہی سمجھ رہی ہے۔

شہباز بڑی مشکل سے اس پر تیار ہوا تھا۔ وہ تینوں ہی اس جگہ آئے جہاں شہباز کو حادثہ پیش آیا تھا۔ لیکن وہ ریشے کہیں دکھائی نہ دیئے جنہوں نے شہباز پر یلغار کی تھی۔ ریشے بکرے کی کھال کے نیچے نہیں دیکھ سکتے۔ عمران بڑبڑایا۔

مجھ سے زبردست غلطی ہوئی تھی۔ شہباز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

بھول جاو۔ اب ہمیں پوری تندہی سے جدوجہد کرنی ہے۔

ہم کیا کرسکیں گے۔ شہباز نے منہ بنا کر کہا۔

سفید مادہ بول پڑی۔ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ یہ اتنی دیر سے کیا کہہ رہا ہے؟۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں ابال کر کھائے یا تل کر۔۔۔۔۔؟۔

نہیں۔ وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

اس لیے تم اپنی زبان قطعی بند رکھو۔ میں اسے باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سفید فام نسلوں کا گوشت بے حد تلخ اور دیر ہضم ہوتا ہے خدا کرے یہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے۔ بال بڑھنے سے عقل گھٹ گئی ہے۔

اب میں نہیں بولوں گی۔ وہ منمنائی اور عمران نے شہباز سے کہا۔ اب ہمیں اپنی تعداد میں اضافہ کرنا چاہیئے اس لیے مناسب یہی ہوگا کہ تم کسی نہ کسی طرح رحبان پہنچو اور ان گیارہ جانوروں کو بھی ان کے حجروں سے نکال لاو۔ شہباز کچھ نہ بولا وہ سفید مادہ کو بہت غور سے دیکھے جا رہا تھا اور وہ بیحد خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔

عمران کھنکارا تھا۔ شہباز چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

صف شکن۔ کاٹ کر پھینک دوں گا۔ وہ سفاکانہ لہجے میں بولا۔ میں ضرغام کا بیٹا۔ ایسی نظریں نہیں برداشت کرسکتا۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟۔

سچ مچ عمران کی آنکھوں میں مضحکہ اڑانے کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

میں تمہیں کیا سمجھوں گا۔ اس نے ہنس کر کہا۔ اب تو یہی سب کچھ سمجھے گی۔

میں اسی کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔

پھر شائد وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا ہی دیتا اگر عمران ان کے درمیان نہ آ گیا ہوتا۔

وہ اسے پیچھے دھکیلتا ہوا بولا۔ بس بس۔۔۔۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ کہیں تم بھی طربدار کی طرح تو مجھے تنہا نہیں چھوڑ جاو گے۔

طربدار۔۔۔۔ طربدار۔۔۔۔ شہباز پیر پٹخ کر بولا۔ میرا طربدار سے مقابلہ کر رہے ہو۔ سنجیدہ خان محتاط کے بیٹے۔ میں پورے شکرال کا سردار ہوں۔ سرداروں کا سردار۔

عمران کچھ نہ بولا۔۔۔۔ شہباز تیکھی نظروں سے عمران کو گھورے جا رہا تھا۔

سفید مادہ سہمی کھڑی تھی۔

نصف النہار کا سورج ان کے سروں پر چمکتا رہا۔

The End------------------------ختم شد